آپی ژھو

کی کہانی

(لداخ کے دلچسپ لوک ادب کی روشنی میں)

کاچو اسفند یار خان

کی زبانی

ISBN 938279734-3

9789382797340

آپی ژھو

کی کہانی

(لداخ کے دلچسپ لوک ادب کی روشنی میں)

کاچو اسفندیار خان

کی زبانی

ذکری انٹرنیشنل پبلشرز دہلی

کتاب کا نام : آپی ژھو (بوڑھی عورت کے پوتے) کی کہانی

کاچو اسفندیار خان کی زبانی

آئی ایس بی این : 938279734-3

ناشر : ذکریٰ انٹرنیشنل پبلشرز

۵۰۷، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

موبائل : 9350000589, 7840000589

برائے

کاچو پبلشرز

کرگل، لداخ

موبائل : 6005889842, 9419000933

پہلا ایڈیشن : جولائی ۲۰۲۲ء

قیمت : Rs.450/-

مطبع : اے ٹو زیڈ پرنٹرس، دہلی

انتساب

اپنی بیوی زینب کے نام

مصنف کی دیگر تصنیفات

کاچو اسفندیار خان کرگل لداخ کے ایک جانے پہچانے شاعر اور قلم کار ہیں۔ انہوں نے ابھی تک مندرج ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱ ''داستانِ کربلا''۔ بلتی زبان کے دو کلاسکل رثائی شعراء کے کلام اور اُن کی مختصر سوانح عمری۔

۲ ''دامِ خیال''۔ اُن کے اردو کلام کا مجموعہ۔

۳ ''کلیمن''۔ اُن کے بلتی پورگی کلام کا مجموعہ۔

۴ "Ancient Wisdom from Ladakh"

لداخی کہاوتوں اور محاورں کا مجموعہ اور ان کا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح۔

5 ''کشمیری کہاوتوں کی ڈکشنری''۔

جیمس ہنٹن نولز، کی کتاب "The Dictionary of Kashmiri Sayings and Proverbs" کا اردو ترجمہ۔

۶ "The Story of rGyalam Kesar" خطہ لداخ کی مشہور دیو مالائی کہانی انگریزی میں۔

۷ "The Story of Nurbo Zangpo and Idthog Lhamo"

کاچو سکندر خان سکندر کی اُردو کتاب کا انگریزی ترجمہ۔ کاچو صاحب نے اس لداخی دیو مالائی کہانی کا اردو میں ترجمہ 1977 میں کیا تھا۔

۸ ''پرکالہ گفتار'' اُن کے اردو انشائیوں کا مجموعہ۔

پیش لفظ

آپی ژھو کی رزمیہ بلتستان سمیت لداخ کی مشہور رزمیہ کہانیوں میں سے ایک ہے۔ اس کہانی کو ماضی قریب تک سردیوں میں، ماسٹر داستان گو کے ذریعہ سنائے جانے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا، جیسے لنگ کیسر اور لاموہیوٹوک کی کہانی۔

یہ ایک گنجے سر والے لڑکے کی کہانی ہے جو مشہور افسانوی ہستی بابا خضر کے فضل سے معجزانہ طور پر پیدا ہوا تھا۔ شروع میں یہ گنجے سر والا لڑکا ایک بوڑھی عورت کو ملا، جب وہ پہاڑ کے ایک غار میں چپکے سے بوڑھی عورت کی بکری کا دودھ چوس رہا تھا۔ بوڑھی عورت اس لڑکے کو لے کر آئی اور اسے اپنے پوتے کی طرح پالا۔ اس لیے اسے آپی ژھو کہا گیا۔

لداخ کے معروف مصنف اور مورخ کاچو سکندر خان سکندر اپنی کتاب قدیم لداخ' میں بیان کرتے ہیں کہ

''کیسر رزمیہ کے بعد آپی ژھو، لداخ کی سب سے مشہور رزمیہ کہانی ہے جو زیادہ تر پوریگ (موجودہ کرگل) اور بلتستان کے علاقے میں رائج ہے۔ آپی ژھو کی کہانی کیسر کہانی کی طرح طویل اور کثیر رنگ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے کردار بے شمار ہیں۔ پچاس گز اونچا پہلوان، آپی ژھو، جو اپنی سراسر جسمانی طاقت سے کچھ پڑوسی ممالک کو فتح کرتا ہے اور شہزادیوں، گلے خنداں چوچو اور گنگس جو ہر چوچو کو لاتا ہے۔

آپی ژھو کے ایپک کا ماحول بلتستان کے علاقے میں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کہانی بلتستان کے علاقے میں زیادہ تر شگر کے آس پاس کے علاقے میں پروان چڑھی تھی''۔ کاچو سکندر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

''شگر کے ابتدائی آباد کاروں میں تیستے چو، آپی ژھو، گیا کھنگ پا اور چا کھنگ پا قبیلوں اور ان کے خاندان کے افراد جیسے شیر، مشڈ، اماچہ اور غوری تھم کے نام نمایاں ہیں۔ بلتی ایپک آپی ژھو میں ہمیں حسن منڈیل اور حسین منڈیل کے نام ملتے ہیں جو غالباً انہی لوگوں میں سے تھے۔ مقامی داستانوں کے مطابق آپی ژھو کولنگ کیسر کا ہم عصر اور مخالف سمجھا جاتا ہے''۔

کاچو صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

''مقامی روایات میں آپی ژھو کولنگ رگیالم کیسر کا ہم عصر اور حریف قرار دیا گیا ہے، تیستے چو نے، تھولل کے گرم چشمے کے قریب لاکھ کا ایک محل تعمیر کروایا جو آپی ژھو کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ بلتستان کے رزمیہ کا ہیرو اسکردو کے گردونواح میں آباد ہوا تھا۔ اس نے لمسہ کے مقام کو آباد کیا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں کیسر رگیالپو لداخ کی طرف سے اس ملک میں آیا اور رونگدو تک پہنچا۔ اسکردو میں شادی کی اور پھر لداخ واپس چلا گیا۔ رزمیہ کیسر میں، قدیم بلتستان کو 'رُدت یول' کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے اوگر اور جنات کا ملک، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم بلتستان کے لوگ بہت بڑے قوی الہیکل تھے اور ان میں سے زیادہ تر پہلوان تھے۔ روایت میں بیان ہے کہ آپی ژھو کی اونچائی پچاس گز تھی اور اس کے عصا کا وزن اٹھارہ من تھا۔ شگر کا پائینی علاقہ اس کی اولاد کے قبضے میں تھا''۔

ایسا لگتا ہے کہ قدیم بلتی لوگوں کی بڑی جسمانی ساخت کے بارے میں جو افسانہ

ہے اس میں سچائی کے کچھ عناصر بھی موجود ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے مرحوم چچا کاچو مہدی علی خان سے ذاتی طور پر سنا تھا کہ انہوں نے 1947 سے پہلے ایک بلتی پہلوان کو کرگل کے بازار میں دیکھا تھا۔ اس کا نام انگوٹ تھا اور اس کا تعلق کھرمنگ بلتستان سے تھا۔ کاچو صاحب نے بتایا کہ وہ شخص اتنا بڑا جسیم تھا کہ اپنے زمانے کا سب سے لمبا آدمی صرف اس کے بغل تک پہنچتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک واقعہ اس شخص کا بہت مشہور تھا۔ کہ اس نے ایک زبردست پاگل یاک کو اپنی ایک مٹھی کے گھونسے سے مار ڈالا تھا جب اس نے اس پر حملہ کیا تھا حالانکہ اس وقت وہ اپنی پیٹھ پر دو من جَو کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ کاچو صاحب نے اس شخص کے بارے میں مزید ایک کہانی سنائی کہ انگوٹ جب 1947 سے پہلے شملہ انڈیا میں مزدوری کا کام کرتا تھا تو اس نے ایک کشتی کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔ شملہ میں کشتی کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے مقابلے میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ جس پر تقریب کے منتظمین نے انہیں دعویداروں میں سے ایک کے طور پر قبول کر لیا۔ عینی شاہدین نے بتایا کہ انگوٹ جب رنگ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے حریف، بھارت سے تعلق رکھنے والے ایک بڑے پہلوان کو آسانی سے اوپر اٹھایا اور اپنے سر پر آٹے کے تھیلے کی طرح منڈلا کر پہلوان کو تماشائیوں کے درمیان پھینک دیا۔

اس وقت کے شملہ کے ریذیڈنٹ کمشنر نے اسے بہت بڑا انعام دیا اور اس کے ساتھیوں نے ایک بیل ذبح کر کے اس کی جیت کا جشن منایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلتستان میں یقیناً قدیم زمانے میں ایسی بڑی قوی الجثہ اور لیو یتھان قسم کی شخصیات آباد رہی ہوں گی۔

میں خیال کرتا ہوں کہ آپی ژھو کی ایپک، کیسر کی رزمیہ کے مقابلے میں بعد کے

زمانوں میں تیار ہوئی ہوگی۔ کیونکہ بابا خضر کا نام تبتی زبان میں نیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے کرداروں کے نام جیسے کہ گل خندن، حسن مندل، حسین مندل، بلدے علی خان، اور شیر علی کچا سبھی تقریباً عربی نام ہیں۔ اسی طرح اس رزمیہ کے کچھ واقعات اور عربی یا عبرانی افسانوں میں بیان کیے گئے کچھ واقعات میں گہری مماثلت ہے۔ مثال کے طور پر آپی ژھو سمندر میں گر گیا اور اسے اور اس کے گھوڑے کو ایک بڑی مچھلی نے کھا لیا اور کئی دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ یہ واقعہ ہمیں حضرت یونس علیہ السلام کی کہانی کی یاد دلاتا ہے جنہیں وہیل مچھلی نے کھا لیا تھا اور تین دن تک اس کے پیٹ میں رہے۔ تین دن کے بعد آپؑ کو اللہ کے حکم سے نینوا کے ساحل پر مچھلی نے تھوک دیا۔ وہیل کے پیٹ میں تیزاب کے نتیجے میں اس کا جسم سوج گیا تھا۔ آپی ژھو کئی دنوں تک مچھلی کے پیٹ میں رہا اور آخر کار اسے اس کے دوست اور نوکر اوسے بزبا نے مچھلی کی چھوٹی پسلی کاٹ کر بچا لیا۔ جب آپی ژھو مچھلی کے جسم سے باہر آیا تو اس کا جسم بھی مچھلی کے پیٹ میں تیزاب کی وجہ سے سوجا تھا۔ لیکن بوڑھے کی ہدایت پر اسے اوسے بزبا نے ٹھیک کیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہانی سنانے والا ایرانی اور عرب افسانوں سے بہت زیادہ واقف تھا، اس طرح ہمارے نقطہ نظر کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ رزمیہ بعد کے زمانوں میں وجود میں آئی ہوگی۔

حالانکہ میں نے یہ کہانی بچپن میں بہت سے بزرگوں سے سنی تھی اور زیادہ تر کہانی میری یادداشت میں موجود تھی۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ آج میں نے اپنے علاقے کی اس مشہور رزمیہ کہانی کا بیان انگریزی زبان میں مکمل کر لیا ہے جو چگتن کے علاقے میں میرے دوست اور ماسٹر داستان گو جناب محمد جعفر توکچے ہاگنس کے بیان پر مبنی ہے۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس کہانی کو انگریزی زبان میں جہاں تک ممکن ہو اسی

ذائقے اور لہجے میں بیان کروں، جس میں جناب جعفر نے مجھے پورگی بولی میں سنایا تھا۔ میں جعفر صاحب کا ممنون اور مشکور ہوں جنہوں نے میری رہائش گاہ پر کہانی کی ریکارڈنگ کے لیے اپنا قیمتی وقت بخوشی صرف کیا۔ میں ہمیشہ ان کی صحت اور خوشی کے لیے دعا گو رہوں گا۔ اگر اس کہانی کو پیش کرنے میں کوئی خامی نظر آتی ہے تو اسے میری اپنی نااہلی اور اہلیت کی کمی سمجھا جانا چاہیے۔

میں کافی خوش قسمت رہا ہوں کہ میں نے لداخ بشمول بلتستان کی تینوں مشہور افسانوی کہانیاں، رگیالم کیسر، نور بوزنگپو اور آپی ژھو کو انگریزی زبان میں لکھ کر کتابی شکل دی ہے تا کہ ان لوک ادب پاروں اور اپنے بہادر آباؤ اجداد کے اساطیری سرمایہ کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھا جا سکے۔

یہاں یہ بات کرنا بے جا نہیں ہوگا کہ رزمیہ داستانوں کے علاوہ لداخ، لوک کہانیوں اور قصوں سے بھی مالا مال تھا۔ میں نے اپنے بچپن میں اپنے بزرگوں سے سینکڑوں قصے اور کہانیاں سنی ہیں۔ یہ قصے کہانیاں بھی اس زمانے میں تفریح کا ایک ذریعہ تھیں۔ موسم سرما کی مغموم اور تاریک راتوں میں بچے بہت شوق وذوق سے ان کہانیوں کو سنتے تھے۔ ان میں سے کچھ کہانیاں مجھے ابھی تک زبانی یاد ہیں۔ میں ان کو بھی اپنے اسلاف کی روشن نشانی کے طور پر اپنے قارئین کی دلچسپی کی خاطر اس کتاب کے اخیر میں شامل کر رہا ہوں۔ تا کہ یہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی محفوظ رہ سکے۔

میں مس گیتا کوہلی (شاعرہ، قلم کار اور مقررہ) کا بے حد مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔

میں اپنے بیٹے محمد سکندر خان کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کچھ عرصہ قبل مجھے ایک جدید ترین لیپ ٹاپ فراہم کیا جس نے میرے کام میں کئی گنا آسانیاں پیدا کیں۔ آپ کا

شکریہ پیارے بیٹے، خدا آپ کو خوش رکھے۔

آخر میں، میں اپنے داماد جناب پرویز خان اور ان کی شریک حیات مس نسرین فاطمہ (میری بڑی بیٹی) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کرگل میں اس سال میرے قیام کے دوران مجھے ایک ہوٹل "دی قیصر پیلس' میں ایک کمرہ فراہم کیا، جس کی وجہ سے میں رہنے سہنے کی دنیاوی تفکرات سے بالکل آزاد رہا، جس نے مجھے بغیر کسی پریشانی کے موجودہ کتاب کو حتمی شکل دینے اور مکمل کرنے کے قابل بنایا۔۔ میں ہمیشہ ان کی صحت، خوشی اور خوشحالی کے لیے دعا گو رہوں گا۔

آخر میں، میں اپنی بیوی زینب، میری چھوٹی بیٹیاں ڈاکٹر نصرت فاطمہ اور ڈاکٹر کوثر فاطمہ اور تمام خیر خواہوں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جن کی نیک تمناؤں اور تعاون نے مجھے ہمیشہ اس طرح کے منصوبے شروع کرنے کے لیے طاقت اور ہمت فراہم کی۔ میں نہایت عاجزی کے ساتھ ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ میرے قارئین اس کتاب کو پڑھ کر لطف اندوز ہوں گے اور انہیں اس میں خطہ لداخ کے رنگین لوک ادب کی کچھ جھلکیاں مل سکیں گی۔

آپی ژھو

(بوڑھی عورت کے پوتے)

کی کہانی

کسی زمانے میں ایک اکیلی بوڑھی عورت رہتی تھی جس کے نہ بھائی بہن تھے اور نہ کوئی خیر خواہ۔ اس کے پاس صرف گنجے سر والی (سینگوں کے بغیر) ایک بکری تھی جس نے ایک بچہ پیدا کیا تھا۔ وہ اس جانور کو گاؤں کے چرواہے لڑکوں کے ساتھ پہاڑوں میں چرنے کے لیے بھیجتی تھی، جو اسے ہر روز اپنے ریوڑ کے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہ ان سے اپنے پالتو جانور کی دیکھ بھال کرنے کی التجا کرتی اور انہیں کچھ کھانا پیش کرتی تھی۔ وہ عورت ہر روز بکری کے ایک تھن کا دودھ اس کے بچے کو پلاتی تھی۔ دوسرے تھن کا دودھ اپنے استعمال میں لاتی تھی۔ کچھ دیر بعد، اس نے دیکھا کہ بکری نے کم مقدار میں دودھ دینا شروع کر دیا ہے، جس سے نہ بچے کو اطمینان ہوا اور نہ ہی اسے۔ اسے شبہ تھا کہ چرواہے لڑکے دن میں اس کی بکری کا دودھ استعمال کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ اپنی ٹوکری اٹھا کر بکری کو ہر روز چرواہوں کے حوالے کرنے کی جگہ لے گئی۔ جب وہ چرواہے لڑکوں سے ملی تو اس نے کہا۔ 'اے میرے پیارے چرواہے لڑکو! مجھے لگتا ہے کہ آپ لوگ دن کو میری بکری کا دودھ دوہ رہے ہوں گے۔ وہ ان دنوں دودھ کم دیتی ہے۔ میں اس کی صرف ایک تھن کا دودھ دوہ رہی ہوں، دوسرے میں کوئی دودھ نہیں ہوتا ہے۔ میں

آپ سب کو کھانے کی چیزیں بھی دیتی رہی ہوں۔ لیکن بکری مجھے صرف آدھا دودھ دے رہی ہے جو کہ میرے اور بچے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس لئے اب میرے لئے یہ بہت مشکل صورتحال بن گئی ہے۔ تمہیں میری بکری کا دودھ نہیں دوہنا چاہیے تھا۔ یہ کوئی پانچ چھ لڑکے تھے جو ہر روز ریوڑ کو چرانے کے لیے پہاڑ پر لے جایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے جواب دیا، ''یہ کیا کہہ رہی ہو بوڑھی عورت! ہم نے آپ کی بکری کا دودھ کبھی نہیں دوہیا۔ ہم آپ کی بکری کا دودھ کیوں استعمال کرتے؟''

بوڑھی عورت اسی بات پر اصرار کرتی رہی، جس پر چرواہے لڑکوں نے کہا، ''ارے نانی، اگر آپ کو ہم پر اعتماد نہیں تو آپ اگلی بار ہمارے ساتھ چلیں، صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہم آپ کی بکری کا دودھ نہیں دوہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ کچھ دن پہلے سے آپ کی بکری دوپہر کے وقت ریوڑ سے غائب ہو جاتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں جاتی ہے۔ لیکن شام کو وہ ریوڑ میں واپس آتی ہے۔ ہم ریوڑ کو پہاڑ کی چوٹی تک لے جاتے ہیں اور پھر ریوڑ کو چرنے کے لیے آگے جانے دیتے ہیں۔ ہم دن بھر اسی جگہ پر رہتے ہیں، اپنے کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شام کے وقت، بکریاں اور بھیڑیں پہاڑ سے واپس آتی ہیں۔ لیکن پچھلے کچھ دنوں سے ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ آپ کی بکری دن کے وقت غائب ہو جاتی ہے اور شام کو دوبارہ ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے، اس لیے آپ کو خود اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے ہمارے ساتھ آنا چاہیے''۔

اس طرح، بوڑھی عورت اگلی بار چرواہوں کے ساتھ چلی گئی اور وہاں پہنچ کر اُنہوں نے ریوڑ کو پہاڑ پر جانے دیا۔ لڑکوں نے کہا ''بوڑھی جی، اب آپ اپنی بکری پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ وہ دوپہر کے وقت غائب ہوتی ہے یا نہیں''۔

بوڑھی عورت مسلسل اپنی بکری کو دیکھ رہی تھی۔ دوپہر کے وقت بکری اچانک ریوڑ سے غائب ہوگئی۔ بوڑھی عورت نے کہا، ”اے لڑکوں! واقعی بکری غایب ہوگئی ہے۔ میں اسے اب نہیں دیکھ سکتی“۔ لڑکوں نے جواب دیا" نانی! اب آپ کو جانا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کہاں جارہی ہے۔“

چنانچہ بوڑھی عورت گئی اور ریوڑ کے درمیان اپنی بکری کو تلاش کرنے لگی۔ لیکن وہ اسے وہاں نہیں مل سکی۔ سبزہ زار کا ایک بہت بڑا میدان تھا اور وہ اس کی تلاش میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ پھر اس نے سبز چراگاہ کی زمین میں ایک بڑا کھلا ہوا غار دیکھا۔ اس نے اندر جھانکا اور لو! اس نے دیکھا کہ ایک گنجے سر والا بچہ اس کی بکری کا دودھ چوس رہا ہے۔ اس نے پکارا، "اے گنجے سر والے بچے — یہ تم ہی ہو جو ان دنوں میری بکری کا دودھ پی رہے تھے! میں چرواہے لڑکوں پر الزام لگا رہی تھی!" یہ کہہ کر اس نے بچے کو اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس پر بچہ زمین سے اٹھا اور بڑھیا کے پاس آیا۔ اس نے التجا کی، "ماں، ماں، مجھے مت مارو۔" بوڑھی عورت نے افسوس کا اظہار کیا اور سوچا، "مجھے اسے نہیں مارنا چاہیے تھا۔" چونکہ اس کے پاس دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لیے اس نے بچے کی پرورش کے بارے میں سوچا۔ اسے لگا کہ وہ آنے والے دنوں میں اس کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے بچے کو اپنی ٹوکری میں ڈالا اور اپنی بکری کو ساتھ لے کر وہاں سے واپس آ گئی۔ جب وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچی تو لڑکوں نے اس عورت سے پوچھا،

" کیا آپ نے اپنی بکری ڈھونڈ لی ہے؟"

بوڑھی عورت نے جواب دیا، ”اے میرے پیارے بچو! ہاں، مجھے اپنی بکری مل گئی۔ میں آپ لوگوں پر دودھ کم ہونے کا الزام لگا رہی تھی! لیکن اس کے بجائے مجھے گھاس کے

میدان کے غار میں ایک گنجے سر والا بچہ ملا، جو بکری کا دودھ چوس رہا تھا۔ پہلے تو میں نے اسے یہ کہہ کر دور پھینک دیا کہ میں اس کے کیے کے لئے چرواہے کے لڑکوں پر غلط الزام لگا رہی ہوں۔ لیکن جب اس نے مجھ سے اس کو نہ مارنے کی درخواست کی تو میرا ارادہ بدل گیا۔ میں اسے اپنے ساتھ یہ سوچ کر لائی ہوں کہ ایک دن وہ میری دیکھ بھال کرے گا"۔

لڑکوں نے جواب دیا، "آپ نے ٹھیک کیا، نانی۔" اس طرح وہ بچے کو اپنے گھر لے آئی۔

اس دن اس نے ایک تھن کا دودھ بچے کو اور دوسرے تھن کا دودھ بکری کے بچے کو دیا۔ اگرچہ دودھ ان دونوں کے لئے کافی تھا، لیکن خود بوڑھی دادی کے لئے کچھ نہیں بچا۔ بچے کی کوئی ماں نہیں تھی۔ بوڑھی عورت نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ لیکن وہ دن بدن معجزانہ طور پر بڑھ رہا تھا۔ درحقیقت، وہ اپنی عمر کے دوسرے بچوں کی ماہانہ نشوونما کے مقابلے میں ایک دن میں زیادہ بڑھ جاتا تھا! بوڑھی عورت کے پاس ان دونوں کے لیے بہت کم کھانا تھا۔ اس کے پاس فصل اگانے کے لیے زمین بھی نہیں تھی۔ وہ ادھر ادھر بھیک مانگ کر اپنے دن گزارتی تھی۔

ایک دن، اس نے اپنے گود لئے ہوئے پوتے سے پوچھا "اے میرے پوتے! چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور اب تم تھوڑا سا بڑا ہو گئے ہو، کیا تم دائیں طرف کی وادی کے اندر جاؤ گے، جہاں ایک محل ہے۔ اس محل میں اپو گونبا نامی ایک شخص اور اس کی خاتون آپی یانگزن رہتے ہیں۔ اپو گونبا ایک خدا سے ڈرنے والا آدمی ہے اور آپی یانگزن بھی جنت کی مستحق ہے۔

تم وہاں جا کر بتاؤ کہ تم گاؤں کے آخری سرے سے بوڑھی دادی کے پوتے

ہو۔ دینے کے لیے کافی مہربان ہوں گے تو ایک سر جو دیں گے۔ اگر نہیں، تو شاید وہ ہمیں ایک بوجھ بھرا آٹا دیں گے۔ اگر وہ مہربان ہوا تو اپنے لئے نیا لباس طلب کریں۔ اگر نہیں، تو ایک پرانا۔ نئے جوتے اور نئی ٹوپی طلب کریں۔ اگر وہ کافی مہربان نہیں ہیں تو پھر بھی پرانے دینے کی درخواست کریں۔

بچے نے جواب دیا، "ہاں، میں جاؤں گا۔"

چنانچہ وہ ہاتھ میں لاٹھی لے کر اس گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ کافی دیر سفر کرنے کے بعد وہ محل پہنچا۔ اس نے محل کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر پکارا،

"دائیں طرف وادی کی وسط میں—
ایک عظیم محل ہے!
بہت دُور، وادی کے اندر،
ایک عظیم قلعہ ہے!
اس عظیم محل میں لوگ کہتے ہیں
کہ ایک عظیم شخص رہتا ہے!
اس عظیم قلعے میں اپو گونبا رہتا ہے۔
لوگ کہتے ہیں کہ اپو گونبا ایک خدا ترس شخص ہے۔
لوگ کہتے ہیں کہ آپی یانگزن بھی جنت کی مستحق ہے۔
میں بوڑھی عورت کا پوتا ہوں؛
میرا تعلق گاؤں کے آخری سرے سے ہے۔
میں گاؤں کی بوڑھی عورت کا پیارا پوتا ہوں۔
اگر آپ خوشی سے دینا چاہتے ہیں تو مجھے ایک

سر جو آٹے سے بھرا دیدیں۔

اگر آپ ایسا کرنا پسند نہیں کرے تو ایک بو جو آٹے سے بھر دیں۔

اگر آپ خوشی سے دینا چاہتے ہیں تو مجھے ایک نیا کپڑا دے دیں،

اگر آپ ایسا کرنا پسند نہیں کرتے تو

مجھے ایک پرانا کپڑا دے دیں۔

اگر آپ خوشی سے دینا چاہتے ہیں تو مجھے نیا کمر بند دو،

اگر نہیں تو ایک پرانا دینا۔

اگر آپ اپنی مرضی سے دے سکتے ہیں تو

مجھے نئے جوتے مہیا کر دیں۔

اگر نہیں تو مجھے کوئی پرانی چیز دے دیں۔"

اپو گونبا نے اسے پرانے کپڑوں کا ایک سیٹ دیا جس میں ایک ٹوپی، ایک کمر بند اور جوتے شامل تھے۔ یہ چیزیں دیتے ہوئے اس نے کہا،

"اے بڑھیا کے پیارے پوتے اگر ہم آپ کو آٹے سے بھرا ایک سر جو دیں گے۔ تو آپ اسے اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اس طرح، ہم آپ کو اس میں سے صرف ایک بو جو دیں گے۔

گنجے سر والا بچہ یہ سب چیزیں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو بوڑھی عورت نے اس سے پوچھا "اے میرے پوتے! کیا آپ نے اپو گونبا اور آپی یانگزن کو دیکھا؟ کیا انہوں نے آپ کو کچھ دیا؟"

اس پر بچے نے جواب دیا،

"ہاں دادی! میں ان سے ملا۔ جیسا کہ آپ نے کہا، وہ بہت نرم دل اور خدا سے

ڈرنے والے ہیں۔ انہوں نے مجھے کپڑوں کا ایک سیٹ اور آٹے سے بھرا ایک بوجو دیا۔"

اس نے آٹا دادی کے حوالے کیا۔ لیکن یہ صرف چند دن ہی چل سکا۔

چونکہ بوڑھی عورت لمبی دوری کا سفر کرنے کے قابل نہیں تھی، اس لئے اس نے اپنے پوتے سے دوبارہ منت کی۔ ''اے میرے پیارے پوتے! معلوم ہوا ہے کہ چند دنوں میں ابابیس تھونبا اور امایوم سنونما کی بیٹی کی شادی کی تقریب طے پا گئی ہے۔ میرے بچے، تمھیں اس دعوت میں شرکت کرنی ہے، تاکہ ہمیں کھانے کو کچھ ملے۔ کیا آپ وہاں جائیں گے''؟

اس کے پوتے نے جواب دیا، ''وہ محل کہاں ہے، دادی؟'' بوڑھی عورت نے کہا، "ہاں، بہت دور ہے۔ اپو گونبا اور آپی یانگزن کے محل سے بہت آگے۔ یہاں ایک بڑا گاؤں ہے اور ابابیس تھونبا اور امایوم سنونما کا محل وہاں واقع ہے۔ وہ علاقے کے امیر ترین لوگ ہیں۔"

اس طرح بچہ دوبارہ ابابیس تھونبا کے محل کی طرف بڑھ گیا۔ اپو گونبا اور آپی یانگزن کے محل کو پیچھے چھوڑ کر وہ وادی کے اندر ایک گاؤں میں پہنچا۔ ابابیس تھونبا کی بیٹی کی شادی کی دعوت جاری تھی۔ وہ فوراً محل کے اندر چلا گیا جہاں باورچی کھانا بنا رہے تھے۔ اس نے انہیں مبارکباد دی اور کہا کہ وہ بوڑھی دادی کا پوتا ہے اور شادی کی دعوت میں شرکت کے لیے آیا ہے۔ اُنہوں نے اُسے کھانے کے لیے جو کے آٹے کا کچھ آٹا دیا۔ لیکن اس نے اس میں سے تھوڑا سا کھایا اور بقیہ آٹا باورچیوں کے پاس چھوڑ دیا اور کہنے لگے ''ارئے چچا باورچی، میری ایک بوڑھی دادی گاؤں کے آخری کنارے پر رہتی ہے۔ میں یہ کھانا اس کے لیے اپنے بیگ میں رکھ رہا ہوں۔ شادی کی تقریب ختم ہونے پر میں

اسے لے لوں گا‘‘۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ باورچی کے پاس رکھا اور پھر شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے چلا گیا۔ پنڈال خالی تھا۔ اس طرح وہ خود ہال میں پہلی قطار میں بیٹھ گیا۔ جب گاؤں کے تمام نوجوان اور بوڑھے لوگ پنڈال پر پہنچے تو زبالوتنگ تنگ نامی شخص نے کھڑے ہو کر بیٹھنے کا اعلان کیا جو کہ لوگوں کے عہدے اور مقام کے مطابق ہونا تھا۔ وہ اس طرح بولا،

’’گاؤں کے امیر اور مالدار شخص
شادی کی دعوت دے رہے ہیں!
ابابیس تھونبا اور امایوم سنونما ایک پارٹی دے رہے ہیں!
وہ اس کے لیے گوشت کے ٹکڑوں کا ڈھیر لگا رہے ہیں!
عظیم آدمی اس پارٹی کے لیے مکھن کا پائپ بچھا رہا ہے۔
کشمیر کے لوگ آ رہے ہیں، ان کا نام پوچھتے ہیں۔
اور دراس کے بروک پا بھی آ رہے ہیں، گیاپو کا اچھا نام سن کر!
ہر قسم کے لوگ آ رہے ہیں
عظیم آدمی کی شادی میں شرکت کے لیے۔
مشرق و مغرب سے مرد
گیاپو کی شادی کے لیے آ رہے ہیں!
دراس کے بروکپا
اس عظیم انسان کی لمبی عمر کے لیے دعا گو ہیں!
اور کشمیر کے لوگ گیاپو کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں۔
وہ تمام کیڑوں مکوڑوں کو بھی کھانا دے رہے ہیں،

وہ آسمان کے پرندوں کو بھی کھانا دے رہے ہیں!

میں، زبالو تنگ تنگ، سب کے بیٹھنے کا انتظام کر رہا ہوں۔

بورھے گدھ سے مشابہت رکھنے والے بوڑھے لوگوں سے گزارش ہے کہ دائیں

طرف کی قطار میں بیٹھ جائیں

تمام عمر رسیدہ اور معزز لوگوں سے

گزارش ہے کہ صف کے سرے پر دائیں طرف بیٹھیں

شیر کے دانتوں سے مشابہت رکھنے والے تمام جوانوں سے گزارش ہے

کہ بوڑھوں کے بعد دائیں طرف کی صف میں بیٹھیں

پتھر کی موتیوں سے مشابہت رکھنے والے تمام جوان لڑکوں

سے گزارش ہے کہ صفوں کے درمیان بیٹھ جائیں

تمام بوڑھی خواتین سے جو ترنبا کے ڈھیر سے مشابہت رکھتی ہیں،

بائیں طرف قطار کے سرے پر بیٹھنے کی درخواست کی جاتی ہے،

تمام نوجوان خواتین سے جو گوندے ہوئے آٹے کے گولی سے مشابہت رکھتی ہیں،

بوڑھی خواتین کے بعد بائیں قطار میں بیٹھنے کی درخواست کی جاتی ہے،

تمام جوان چاروں طرف بکھرے بھنے ہوئے جوَ سے مشابہ لڑکیوں سے گزارش

ہے کہ بائیں صف کے بیچ میں بیٹھیں!

شادی کی پارٹی میں شامل تمام اٹھارہ باراتی افراد

سے گزارش ہے کہ وہ صف کے بیچ میں بیٹھ جائیں۔

اس طرح زبالو نے لوگوں کی عمر اور حیثیت کے مطابق بیٹھنے کے مخصوص جگہوں کا اعلان کیا۔ جب سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھنے لگے تو دیکھا کہ بوڑھی عورت کا گنجے سر والا

بچہ پہلی صف کے سرہانے بیٹھا ہے۔ اس طرح، زبالو نے اس کے سر پر مارتے ہوئے اسے باہر جانے کو کہا۔ بچہ سیٹ سے اٹھا اور بوڑھے لوگوں کے صف میں شفٹ ہو گیا۔ انہوں نے اسے بھی اپنی صف سے نکلنے کو کہا اور اس طرح وہ نوجوان لڑکوں کی صف میں پہنچ گیا۔ انہوں نے اسے چھیڑا اور چٹکی ماری اور اپنی صف سے باہر پھینک دیا۔ پھر بچہ باراتیوں کی صف میں داخل ہوا۔ وہاں بھی اسے چھیڑا، اچھالا اور کچھ نے تیروں سے اور دوسروں نے لاٹھیوں اور خنجروں سے مارا۔ پھر بچہ بوڑھی عورتوں کی صف کی طرف بڑھا۔ لیکن انہوں نے بھی اسے مکے مار کر وہاں سے نکال دیا۔ کافی خوفزدہ ہو کر وہ مجمع سے بھاگا اور قطار کے آخر میں داخلی دروازے کے پاس پہنچا جہاں ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ کتا اس پر بھونکا تو وہ اس جگہ سے بھاگا اور گیٹ کیپر کے قریب پہنچ گیا۔ دربان نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے اپنا قصہ سنایا اور کہا کہ میں بوڑھی دادی کا پوتا ہوں اور گیاپو کی شادی میں آیا تھا۔ چونکہ مجھے شادی بیاہ کی محفلوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اس لیے میں بیٹھک کے سرے پر بیٹھ گیا۔ زبالو جو ایک گھٹیا آدمی تھا اس نے مجھے وہاں بیٹھنے پر ڈانٹا۔ محفل میں موجود لوگوں نے مجھے چھیڑا اور اچھالا۔ کافی خوفزدہ ہو کر میں یہاں پہنچا اور آپ کو دیکھا۔

دربان اچھا آدمی تھا۔ اس نے لڑکے کو باورچی خانے میں جانے کو کہا اور باورچیوں سے درخواست کی کہ وہ اس کا تھیلا لے آئیں جس میں اس نے آٹا رکھا تھا۔ باورچی نے اس کا بیگ دربان کے حوالے کیا اور اس نے اسے دے دیا۔ اس الجھن میں کافی وقت ضائع ہو چکا تھا اور اندھیرا ہونے کو تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ وہ اپنے گھر نہیں پہنچے گا۔ اس نے قریب ہی ایک گھر دیکھا اور منصوبہ بنایا کہ وہ اس کے مالک سے کہے گا کہ وہ اسے وہاں رات گزارنے کی اجازت دے۔ جب وہ اس گھر کے دروازے کے

قریب پہنچا تو دیکھا کہ یہ ایک مدرسہ ہے۔ اس نے دروازہ کھولا تو ایک ملّا اور بہت سے طلباء کو دیکھا۔ اس نے ملّا کو سلام کیا اور پوچھا،

''جناب، کیا آپ مجھے یہاں رات گزارنے کی اجازت دیں گے؟''

ملّا نے جواب دیا، ''اے بچے اندر آ! کیوں نہیں؟ آپ رات یہاں گزار سکتے ہیں۔''

ملّا کو بخوبی معلوم ہوا کہ گنجے سر والا لڑکا پانی کے افسانوی ہستی خضر کا بیٹا ہے۔ لڑکے کو دوسرے لڑکوں کے پیچھے بیٹھنے کو کہا گیا۔ لڑکوں نے اسے چھیڑا اور تنگ کیا۔ اس نے سوچا، اے میرے خدا، میں سارا دن پریشان رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے یہاں کچھ آرام ملے گا۔ اس طرح، اس نے نیند کا بہانہ کیا، یہ سوچ کر کہ شاید یہ اسے لڑکوں کے چھیڑنے سے بچالے۔ جب ملّا نے دیکھا کہ لڑکا سو رہا ہے تو طلباء سے کہا۔ ''اے لڑکوں، اسے تکلیف نہ دو۔ یہ معمولی بچہ نہیں ہے۔ وہ پانی کے خضر کا بیٹا ہے۔ ایک دن وہ بادشاہ بنے گا۔ پھر وہ تمہارے سر پر ایک بال بھی نہیں چھوڑے گا اور نہ تمہارے منہ میں دانت''۔ وہ نیند کا بہانہ بنا کر وہیں رہا۔ پھر اس کو کھانا پیش کیا گیا اور اس نے اس مدرسے میں باقی رات گزاری۔

صبح اس نے ملّا کا شکریہ ادا کیا اور جو کے آٹے کا تھیلا لے کر اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ بوڑھی عورت نے اس سے دعوت کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا، ''دادی، آپ کو بھوک لگی ہے! لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ مجھے وہاں بہت تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ میں تمہارے لیے یہ آٹا لایا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ امیر آدمی نے گوشت کے ٹیلے اور مکھن کے تالاب کا انتظام کر رکھا تھا۔ کشمیر کے لوگوں نے بھرپور اس دعوت کا لطف اٹھایا۔ دراس کے بروکپا لوگوں نے بھی اسے شاندار طریقے سے حاصل کیا۔ یہاں تک کہ پہاڑوں سے جنگلی بکریاں اور دریا کی مچھلیاں بھی دعوت میں شریک ہوئیں۔ لیکن مجھے کچھ

حاصل نہیں ہوا کیونکہ میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ نہیں جانتا تھا۔ میں غلطی سے پہلی صف کے سرے پر بیٹھ گیا۔ زبالوتنگ تنگ نامی ایک شخص بعد میں کھڑا ہوا اور بیٹھنے کی ترتیب کا اعلان کیا، جس پر میں نے انجانے میں عمل نہیں کیا تھا۔ مجھے میری سیٹ سے ہٹا دیا گیا اور انہوں نے مجھے بہت بری طرح چھیڑا اور اچھالا۔ میں جائے وقوع سے بھاگا اور ایک مدرسے میں رات گزاری کیونکہ دیر ہو رہی تھی۔ لیکن مدرسے کے طلبہ بھی بہت شرارتی تھے۔ انہوں نے مجھے پریشان کیا۔ پھر میں نے یہ سوچ کر نیند کا بہانہ کیا کہ یہ مجھے لڑکوں کے اذیت سے بچائے گی۔ جب میں خراٹے لینے کا ڈرامہ کر رہا تھا تو میں نے سن لیا کہ ملّا نے لڑکوں سے کیا کہا، ''اے لڑکوں، تم اس بچے کو کیوں چھیڑ رہے ہو؟ یہ لڑکا غریب نہیں ہے۔ وہ پانی کے خضر کے معجزے سے پیدا ہوا ہے۔ ایک دن وہ بادشاہ بنے گا اور اس وقت وہ تمہارے سر پر بال اور منہ میں دانت نہیں چھوڑے گا''۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے مزید تنگ نہیں کیا۔

بوڑھی دادی نے جواب دیا، '' پھر ٹھیک ہے۔ تمہیں کل پھر ملّا کے پاس جانا چاہیے۔ اس ریما کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ملا سے پوچھو کہ اس نے لڑکوں سے کیا کہا۔ اگر وہ آپ کو کچھ بتانے سے انکار کرے تو آپ ملّا سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ اس ریما سے اپنی جان دے دیں گے۔ آپ کو سچ بتانا پڑے گا''۔

لڑکا ریما کو لے کر ملّا سے ملنے چلا گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو ملّا نے پوچھا کہ '' بیٹا تم واپس کیوں آئے؟ لڑکے نے جواب دیا، " محترم ملّا! کل جب میں آپ کے سکول میں رہا تو لڑکوں نے مجھے بہت پریشان کیا! اس طرح، میں نے یہ سوچ کر نیند کا بہانہ کیا کہ شاید یہ مجھے ان کی اذیت سے بچالے۔ جب میں خراٹے لینے کا ڈرامہ کر رہا تھا، میں نے سنا کہ آپ ان سے کیا کہہ رہے تھے، "اے لڑکوں، اس لڑکے کو مت چھیڑو۔ وہ، غریب

نہیں ہے۔ وہ خضر علیہ السلام کے معجزے سے پیدا ہونے والا بچہ ہے۔' آج میں آپ
سے اس کی حقیقت پوچھنے آیا ہوں۔"
ملّا نے جواب دیا کہ اے میرے بچے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ آپ نے
کچھ غلط سنا ہوگا۔"
اس پر لڑکے نے تنبیہ کی کہ اگر تم نے مجھے سچ نہیں بتایا تو میں خود کو مار ڈالوں گا اور
گناہ تم پر ہوگا۔ یہ کہہ کر اس نے پھندے کا ایک سرا اپنے گلے میں ڈالا اور دوسرے سرے
میں پاؤں ڈالا اور اپنا گلا گھونٹتے ہوئے اسے کھینچنے لگا۔ تو ملّا نے اسے روکا،
"اے لڑکے، ایک منٹ ٹھہرو! اپنے آپ کو مت مارو۔ میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ کیا
تم گنجے سر والی بکری اور اس کے بچے کو مارو گے؟ بچے نے جواب دیا،
" نہیں جناب۔ گنجے سر والی بکری میری ماں ہے۔ میں نے اس کا دودھ پیا ہے۔
میں اپنی ماں کو کیسے مار سکتا ہوں؟ گنجے سر والا بچہ میرا بھائی ہے میں اپنے بھائی کو کیسے مار
سکتا ہوں"؟
تو ملّا نے کہا کہ "بچے، بوڑھی دادی کے ہاتھ میں چھری دے دو اور پھر بکری ذبح
کرو۔ اسی طرح، آپ کو بچے کو قتل کرنا ہوگا. اپنی دادی سے کہو کہ بکرے کا ایک بازو
لے کر گاؤں کے آخر میں واقع غار میں چلے جائیں۔ اسے وہاں سات دن اور سات راتیں
مراقبہ کی حالت میں رہنا چاہیے، کسی سے بات کئے بغیر۔ اسی طرح بچے کو ذبح کرنے کے
بعد تمہیں بچے کا بازو اٹھا کر گاؤں کے سرے پر واقع غار میں جانا چاہیے۔ اور سات دن اور
سات راتوں تک بات نہیں کرنی چاہئے۔ اس مدت کے مکمل ہونے کے بعد، آپ کو کچھ
ہو جائے گا".
ملّا کا شکریہ ادا کر کے واپس آیا اور بوڑھی دادی کو ساری بات سنائی۔ دادی یہ سن کر

بہت خوش ہوئیں۔ اس طرح انہوں نے بکرے اور بچے کو ذبح کر دیا۔ بوڑھی دادی بکری کا بازو لے کر گاؤں کے آخر میں واقع غار میں چلی گئی۔ وہ سات دن اور راتوں تک کسی سے بات کئے بغیر وہاں رہی۔ اسی طرح گنجے سر والے لڑکے نے بچے کا ایک بازو اٹھایا اور اسی جگہ چلا گیا اور ملّا کے حکم کے مطابق کسی سے بات کئے بغیر مذکورہ مدت تک مراقبہ میں رہا۔

جب بوڑھی عورت غار میں پہنچی تو وہاں ایک نادیدہ وجود تھا جو اس کے لیے ہر قسم کا کھانا لے کر آیا۔ اسی طرح گاؤں کے شروع میں غار میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو گنجے سر والے لڑکے کے لیے ہر طرح کا کھانا لاتا تھا۔ انہوں نے ایک لفظ کہے بغیر کھانا کھا لیا۔ انہوں نے اسی طرح سات دن اور راتیں گزاریں۔ ساتویں دن اسے یاد آیا کہ ملّا نے کہا تھا کہ کچھ ہوگا۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ تو اس نے سوچا کہ اس نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ غار سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں بہت سی جنگلاتی لکڑی تھی۔ اس نے کمر کے گرد رسی باندھی تھی۔ اس نے سوچا،

"ملّا نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ اب، مجھے ایندھن کے لیے کچھ بہتی ہوئی لکڑی لے جانا چاہیے کیونکہ گھر میں اس کی کمی ہے۔ جب اس نے اپنی رسی پر لکڑی کا ڈھیر بنانا شروع کیا تو اس نے اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑا سانپ دیکھا۔ وہ بہت ڈر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ملّا نے اسے قتل کرنے کے لیے وہاں بھیجا ہے۔ تاہم اس نے سانپ پر نظر رکھتے ہوئے دوبارہ لکڑی کو اپنی رسی پر لاد لیا۔ اسی دوران لکڑی کا ڈھیر دوبارہ زمین پر گر گیا۔ ایک بار پھر، اس نے انہیں اپنی رسی پر لاد لیا۔ اس میں کچھ وقت لگا۔ اچانک ایک گونجنے والی آواز آئی اور اس نے دیکھا کہ سانپ غائب ہو گیا تھا لیکن دریا دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ دریا کا آدھا حصہ اوپر کی طرف اور باقی آدھا نیچے کی

طرف بہہ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ سانپ اس کو روکنے یا اس جگہ سے روانہ ہونے میں تاخیر کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ دریا کے بیچوں بیچ ایک بڑی چپٹی چٹان نمودار ہوئی ہے اور اس چپٹی چٹان پر بہت سے روحانی لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس نے آگے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے ہاتھ میں سیب کے درخت کی شاخ لے کر آیا تھا۔ اس نے وہ شاخ اس چٹان کے کونے میں لگائی۔ اور لو! چھوٹی شاخ ایک زبردست رفتار سے بڑھنے لگی۔ جب مقدس آدمی اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو شاخ مکمل طور پر بڑھی ہوئی درخت بن گئی۔ پھول کھلا اور پھل آیا اور وہ پھل اب پک چکے تھے۔ اس دوران اس نے سوچا کہ چونکہ مُلّا نے اسے بتایا تھا کہ وہ خضر کا بیٹا ہے اس لیے اس کا باپ بھی ان مقدس آدمیوں میں شامل ہوسکتا ہے۔ اس لیے جیسے ہی انہوں نے اپنی نماز پوری کی، اس نے انہیں دریا کے کنارے سے پکارا،

"اے میرے بابا میں بہت چھوٹا ہوں، مجھے
ایک آدمی کے پچاس ہاتھ کے برابر قد عطا فرما!
اے میرے بابا، میرے بازو چھوٹے ہیں—
مجھے پچاس گز لمبا بازو عطا فرما!
اے میرے بابا، میرا ہاتھ بہت چھوٹا ہے—
مجھے گھاس جمع کرنے کا جھانبا جتنا بڑا ہاتھ عطا فرما!
اے میرے بابا، میرے پاؤں بہت چھوٹے ہیں—
پنجی (دروازہ) کے برابر پاؤں عطا فرما
اے میرے بابا، میرا سر بہت چھوٹا اور گنجا بھی ہے—
مجھے ایک چھوٹی سی زمین جتنا بڑا سر عطا فرما،

اور میرے سر پر پچاس من بال عطا فرما۔

اے میرے بابا، میری آنکھیں چھوٹی ہیں۔

مجھے تالاب جیسی بڑی آنکھیں عطا فرما!

اے میرے بابا، میرا منہ بہت چھوٹا ہے۔

مجھے خزانے جیسا بڑا منہ عطا فرما!

اے میرے بابا

میری آنکھوں اور ابرو کے درمیان پچاس انگلیوں کی چوڑائی پیدا کر!

اے میرے بابا مجھے شیر علی کچا میرا محل بنا دے!

اے میرے بابا مجھے ایسا محل دے جو

نو قدموں میں زمین کو نہ چھوئے۔

اے میرے بابا مجھے ایسا محل دے جو

نو قدموں میں آسمان کو نہ چھوئے۔

اے میرے بابا مجھے پچاس کھل کا کھیت دیدے

اے میرے بابا مجھے ان کھیتوں میں ہل چلانے کے لیے پچاس بیلوں کا جوڑا دے دے

اے میرے بابا مجھے ان کھیتوں میں کام کرنے والی اٹھارہ کاشت کار دے دے۔

اے میرے بابا مجھے میرے مویشیوں کے لیے پچاس میدان چراگاہ دے دو۔

اے میرے بابا مجھے اٹھارہ من لوہے کا عصا دے دو!

اے میرے بابا، مجھے ایک تلوار دے، جو بجلی کی طرح چمکتی ہو۔

میرا حصہ ہتھیار بن کر۔!

اے میرے بابا مجھے ایک نیزہ دے جو آسمان کو چھو سکے۔

اے میرے بابا، مجھے میری شریک حیات کے طور پر گنگس سو کر چو چو'دے دو!

اے میرے بابا، مجھے نملدے بلدے میرے بچے کی طرح دے دو!

اے میرے بابا،

میرے سواری کے گھوڑے کی طور پر مجھے چپس چن نور بو، ان کے انیس رکابوں کے ساتھ دو۔!''

جب وہ اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو مقدس حضرات بھی اپنی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔انہوں نے سیب آپس میں بانٹ لئے۔لیکن کچھ سیب چٹان پر رہ گئے۔تب مقدس آدمیوں میں سے کسی نے اونچی آواز میں پکارا،

" کیا کوئی ہے جو سیب کھانا پسند کرے۔''

آپی ژھو نے جواب دیا،" جناب، میں سیب کھانا چاہوں گا۔"

تم یہاں دریا کے بیچوں بیچ سے سیب کیسے لے جاؤ گے؟' آدمی نے چٹان کے اوپر سے پوچھا۔ چونکہ اس وقت تک خواجہ خضر کی مہربانی سے اس کی تمام خواہشات پوری ہو چکی تھیں اور فوراً عطا ہو چکی تھیں، اس لیے آپی ژھو نے اپنا نیزہ چٹان اور دریا کے کنارے کے درمیان پل کے طور پر رکھا اور پھر اسے اپنے ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔اس نے اپنا پچاس گز کا دوسرا ہاتھ بڑھایا اور سیب اپنے ہاتھ میں لیے۔اسی دوران اس نے ایک سیب منہ میں ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ سیب کا مقدر گنگس سو کر چو چو بننا اس کی شریک حیات کے طور پر تھا۔

جب اس کی تمام خواہشات پوری ہو گئیں تو ایک اور بہرا کر دینے والی آواز آئی اور تمام مقدس ہستیاں چٹان سمیت غائب ہو گئے۔دریا معمول کے مطابق بہنے لگا۔

آپی ژھو اب ایک بہت بڑے جنگجو میں تبدیل ہو چکا تھا۔اس نے اپنے گھوڑے

پر سوار ہو کر عصا، تلوار اور نیزہ ہاتھ میں لیا اور پھر اپنی دادی سے ملنے گاؤں کے آخری سرے کی طرف بڑھا۔ جب اس کی دادی نے زبردست جنگجو کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ خوف سے بھاگنے لگی۔ اس نے سوچا،

دادی یوں بولی۔ ''یہ کوئی دیو ہے جو میرے پوتے کو کھا گیا ہے اور اب مجھے ہڑپ کرنے آرہا ہے

بوڑھی" آہا ہالے آہا، میرے پوتے کو کھانے کے بعد،

کیا اب تم مجھے ہڑپ کرنے آئے ہو؟

آہا ہالی آہا، یہ اوگر کہاں سے آیا؟"

وہ بھاگتی رہی۔ اس پر آپی ژھو نے کہا،

''اے میری دادی، اب میری بات سنو!

اے میری دادی جو میں کہتا ہوں سنو۔

اے میری دادی، مجھ سے مت بھاگو!

اے میری دادی، براہ کرم مجھ سے دور نہ بھاگو!

خدا کے فضل سے میں ایسا آدمی بن گیا ہوں، اے دادی!

میرے بابا کی مہربانی سے مجھے یہ سب چیزیں مل گئی ہیں۔

میں آپ کا گنجے سر والا بچہ ہوں، اے دادی۔

میں تمہارا پوتا ہوں، تم مجھ سے کیوں بھاگتی ہو؟

خدا کے فضل سے مجھے پچاس گز کی اونچائی عطا ہوئی،

میرے بازو پچاس ہاتھ لمبے ہو گئے۔

میری آنکھیں تالاب کی سی ہو گئیں۔

میرا منہ سٹور روم کے سائز کا ہو گیا۔

مجھے لوہے کے اٹھارہ من کا عصا دیا گیا۔

مجھے بجلی کی طرح چمکتی ہوئی تلوار سے نوازا گیا!

مجھے چلپس چن نور بونامی گھوڑا دیا گیا تھا، جس

کے اٹھارہ رکابیں ہیں!

اللہ کے فضل سے میرا ہاتھ گھاس کی جھانجھا کی طرح بڑا ہو گیا ہے۔

کیوں بھاگ رہی ہو؟ اے دادی، میں تمہارا پوتا ہوں!''

لیکن دادی بھاگ کر شیر علی کچے میں اپنی جھونپڑی کی طرف چلی گئی۔ جب وہ وہاں پہنچی تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا محل بن گیا ہے جہاں اس کی جھونپڑی کھڑی تھی۔ وہ وہیں رک گئی۔ جب آپی ژھو وہاں پہنچا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی اس کا پوتا ہے جو پانی کے بابا خضر کے معجزے سے ایک بڑا آدمی بن گیا تھا۔ کچھ دن محل میں رہنے کے بعد وہ اپنے گھوڑے کو دوڑانے کے لیے دریا کے کنارے لے گیا۔

چونکہ وہ پہلے ہی علاقے کا راجہ بن چکا تھا، اس لیے اس نے اپنے آپ کو اپنی تلوار، عصا اور نیزے سے آراستہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کے کنارے چلا گیا۔ وہ اپنے گھوڑے کو ریت میں دوڑاتے ہوئے دریا کے کنارے اوپر اور نیچے چلاتا رہا۔ جب وہ یہ کر رہا تھا تو اس نے دریا سے آنے والی ایک آواز سنی۔ جو یہ کہہ رہا تھا،

"ارے اس گنجے سر والے لڑکے کو دیکھو! اب وہ بڑا آدمی ہو گیا ہے اور پیٹ بھر کر پیاس بجھانے کے بعد یہ بھول گیا ہے کہ کبھی وہ گنجے سر والی بکری کا دودھ پی رہا تھا!

یہ سن کر وہ وہیں کھڑا ہو گیا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ یہ کون کہہ رہا ہے۔ دریا میں کچھ کشتی والے تھے، تو اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے کشتی والوں، کیا تم نے مجھے گنجے سر والا بچہ کہا؟"

کشتی والوں نے جواب دیا،

"اے دریا کے کنارے کے جنگجو، ہم آپ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا۔ ہم آپ کو ایسا مخاطب کیوں کریں؟ ہمارا خیال ہے کہ کشتی کے نیچے دریا نے یہ کہا ہے۔

اس کے بعد اس نے دریا سے پوچھا کہ

اے بہتے دریا، کیا تو نے مجھے گنجے سر والا بچہ کہا؟

دریا نے جواب دیا،

"اے دریا کے کنارے کے جنگجو، میں تمہاری قسم کھاتا ہوں، میں نے تمہیں اس طرح نہیں بلایا۔ میں تم سے یہ کیوں کہوں؟ مجھے لگتا ہے کہ دریا کے بیچ میں نیلی چٹان نے یہ الفاظ کہے تھے۔

اس کے بعد اس نے دریا کی گہرائی میں موجود نیلی چٹان سے پوچھا

"اے ردواتھرن اور شنگ تھرن (نیلی چٹان)! کیا تم نے کہا کہ میں گنجے سر والا بچہ تھا؟ کیا تم نے مجھے بوڑھی دادی کا گنجے سر والا بچہ کہا؟

نیلی چٹان نے جواب دیا،

"اے دریا کے کنارے کے جنگجو، میں نے یہ نہیں کہا۔ میں آپ جیسے جنگجو کو ایسا کیوں کہوں؟ مجھے لگتا ہے کہ میرے اندر رہنے والی لڑکی نے یہ کہا ہے۔"

پھر اس نے نیلی چٹان کے اندر رہنے والی لڑکی سے پوچھا،

"اے لڑکی، ردواتھرن، شنگ تھرن! کیا تم نے مجھے گنجے سر والا بچہ کہا؟"

چٹان کے اندر رہنے والی عورت نے جواب دیا،

"اے دریا کے کنارے کے جنگجو، میں تمہاری قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے تم سے

ایسا نہیں کہا۔ میں آپ جیسے جنگجو کو ایسا کیوں کہوں؟ مجھے لگتا ہے کہ میرے جسم کے اندر کے بچے نے یہ کہا ہے۔

اِس کے بعد اُس نے اُس عورت کے جسم کے اندر موجود بچے سے پوچھا:

اے اس عورت کے جسم کے اندر رہنے والے بچے! کیا آپ نے یہ الفاظ کہے ہیں؟

اے ردواتھرن، شنگ تھرن! کیا تم نے مجھے بوڑھی دادی کا گنجے سر والا بچہ کہا؟

بچے نے عورت کے جسم کے اندر سے جواب دیا،

"اے دریا کے کنارے کے آدمی! ہاں، میں نے آپ کو گنجے سر والا بچہ کہا تھا— بوڑھی دادی کا گنجے سر والا بچہ۔ کیا تم دادی کے گنجے سر والے بکرے کے دودھ کا ذائقہ بھول گئے؟"

اس پر آپی ژھو بہت غصے میں آ گئے اور اپنی تلوار دریا پر مار دی۔ دریا کا آدھا حصہ اوپر کی طرف بہتا اور آدھا نیچے کی طرف بہتا رہا، اس طرح دریا کے بیچ میں ایک بڑا پتھر نظر آ گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ آواز اسی پتھر سے آ رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ دعا کرتے ہوئے اسے مارا کہ اس کی تلوار اس میں موجود کسی جاندار کو نقصان نہ پہنچائے۔ پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تو اس کے اندر سے ایک لڑکی اور ایک بچہ نکلا۔ لڑکی گنگس سو کر چوتھی جو اس کی شریک حیات بننا چاہتی تھی۔ بچہ نملدے بلدے تھا، ایک بیٹا جسے بابا خضر نے معجزانہ طور پر عطا کیا تھا۔ جیسے ہی بچہ دریا سے باہر آیا، اس نے اپنے باپ آپی ژھو کو پکڑا اور اس سے لڑا۔ ان کی آپس میں کشتی ہوئی اور اس عمل میں دریا کے کنارے سے بہت سے دیودار کے درخت اکھڑ گئے۔ چونکہ وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے اس لیے وہ حقیقی دشمنوں کی طرح لڑتے تھے۔ بڑی جدوجہد کے بعد آپی ژھو، بارہ رسیوں سے بچے کے بازو کو پائن کے درخت سے باندھنے میں کامیاب ہوا۔ اگر بچہ جنگ جیت

جاتا تو اپنے باپ آپی ژھو کو قتل کر دیتا، یہ معلوم کیے بغیر کہ وہ آدمی کون ہے۔

لیکن جب آپی ژھو نے جنگ جیت لی، جس پر لڑکے نے کہا: اے انسان! تم نے اس بار لڑائی جیت لی ہے لیکن اگر میرے والد کو اس بات کا علم ہو جائے تو وہ تمہارے جسم میں کوئی جان نہیں چھوڑیں گے۔

آپی ژھو نے لڑکے سے پوچھا کہ اس کا باپ کون ہے؟ لڑکے نے جواب دیا، "تم اسے نہیں جانتے۔ اس کا نام شیر عباس خان ہے جو پانی کے خضر کا بیٹا ہے۔ میں خضر کا پوتا ہوں۔"

اس کے بعد آپی ژھو نے محسوس کیا کہ بچہ اس کا اپنا بیٹا ہے۔ اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ اسے بیٹا عطا کرے۔ اس طرح دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور گلے لگا لیا۔ اس کے بعد، اس نے گنگس سو کر چو کو پیچھے اور لڑکے کو زین کے اگلے حصے پر بٹھایا اور شیر علی کچا لے آیا۔ جب وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی دادی کو بلایا اور اس طرح بولا،

"اے میری دادی، مہربانی کر کے محل سے باہر آجاؤ!
اللہ کے فضل سے مجھے وہ سب مل گیا جس کی میں نے خواہش کی تھی۔
میرے بابا کی مہربانی سے میری تمام خواہشات پوری ہو گئیں۔
مجھے گنگس سو کر چو اپنے شریک حیات کے طور پر ملی!
مجھے ایک بیٹے سے نوازا گیا، نملدے بلدے!
سٹا کلو (چیتا کا سال) میں پیدا ہونے والے اٹھارہ لڑکوں کے ساتھ اور رسمی روٹی اور مکھن لے کر مجھے لینے آئیں!
لوکلو (بھیڑ کا سال) میں پیدا ہونے والی اٹھارہ لڑکیوں کے ساتھ

رسمی روٹی اور مکھن لے کر میری سواگت کریں۔''

بوڑھی عورت کچھ لڑکیاں اور لڑکے لوکلو اور ستا کلو والے آپی ژھو اور اس کی دلہن کے استقبال کے لیے رسمی روٹی اور مکھن لے کر باہر آئے۔ جب وہ ملے تو اس نے سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے یہ سب چیزیں پانی کے والد بابا خضر کی مہربانی سے ملی ہیں۔ وہ اس محل میں ٹھہرے جو ایک معجزے سے بنایا گیا تھا۔

چونکہ نیملدے بھی نائٹ تھے، اس لیے اس کی ایک دن میں بڑھوتری ایک سال میں دوسرے بچوں کی نشوونما کے برابر تھی۔ کچھ عرصہ بعد وہ بڑا آدمی بن گیا۔ ایک دن، دادی نے آپی ژھو سے کہا،

"اے میرے بچے، کہا جاتا ہے کہ باپ کے لیے سب سے مشکل کام اپنے بیٹے کے لیے مناسب دلہن تلاش کرنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کے لیے سب سے مشکل کام باپ کی آخری رسومات ادا کرنا ہے۔ اب تمہارا بیٹا بڑا ہو گیا ہے۔ اس لیے ہمیں اس کے لیے دلہن کی تلاش کرنی چاہیے۔''

آپی ژھو نے جواب دیا،

"اے دادی! مجھے دلہن کی تلاش کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، میں اسے کہاں تلاش کروں؟"

اس پر دادی نے کہا اے میرے پوتے میں نے سنا ہے کہ ایک ملک آہایول ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ تین شہزادیاں ہیں۔ پہلے والے کا نام گل خندن چوچو ہے۔ دوسرے کا نام پالیکی مندوک چوچو اور تیسرے کا نام روڈونگ رگوما چوچو ہے۔ یہ دیووں اور اوگروں کا ملک ہے لیکن آپ ایک بہادر آدمی ہیں اور آپ کے پاس تلوار، عصا اور نیزہ جیسے ہتھیار ہیں۔ اس لیے آپ کو ان شہزادیوں کی تلاش میں وہاں جانا چاہیے

آپی ژھو نے اٹھارہ کھل گندم کے آٹے سے روٹی تیار کرائی۔ یہ سفر کے دوران استعمال ہونے کے لیے اس کے گھوڑے پر لدے ہوئے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ واپسی میں کتنا وقت لگے گا۔ اس نے اوراو سے بزبا، جو اسے بابا خضر نے اپنے ساتھی اور خادم کے طور پر دیا تھا، سفر کے بارے میں گفتگو کی۔

اے بھائی اوسے بزبا! آئیے ایک دوسرے کے ساتھ ایک نشان یا پھول کا تبادلہ کریں۔ میری غیر موجودگی میں آپ گھر میں میری دادی اور خاندان کی دیکھ بھال کریں گے۔ میری دادی کی فرمانبرداری کرتے ہوئے گھر کے تمام معاملات پر نگاہ رکھنا۔ اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو جو پھول تم نے مجھے دیا ہے وہ مرجھا جائے گا اور میں تمہیں بچانے کے لیے فوراً واپس آؤں گا۔ اگر مجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ پھول مرجھا جائے جو آپ کو دیا گیا ہے۔ اس صورت میں، آپ کو میرے بچاؤ کے لیے فوراً آنا چاہیے۔

یہ کہہ کر وہ آہایول کی طرف بڑھا۔ کئی دنوں تک سفر کرنے کے بعد اسے ایک بہت بڑا سمندر اس جگہ تک پہنچنے کا راستہ روکتا ہوا پایا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور پھر خدا سے دعا کرنے لگا کہ

اے میرے آقا! اس سمندر کو پار کرنے کا کوئی راستہ نہیں!
میرے باباپانی کے خضر کے کرم سے ایک پل بن جائے!
میں آہایول کی طرف جارہا ہوں،
میں، تمام آدمیوں کا رہنما، آہایول میں جانا ہے!
شیر علی کچے میں میرا بیٹا رہتا ہے،
شیر علی کچے کے محل میں

میرا بیٹا نمالدے بلدے رہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں باپ کے لیے سب سے مشکل کام کیا ہوتا ہے؟

اپنے بیٹے کے لیے دلہن لانا ہے۔

کہتے ہیں بیٹے کے لیے سب سے مشکل کام کیا ہے؟

یہ اس کے والدین کی آخری رسومات ادا کرنا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اونچی چراگاہ کا جوہر

ہر قسم کی جنگلی بھیڑیں ہیں!

بڑے سینگ والی جنگلی بھیڑوں

کو پل کی دیوار بنانے کے لیے آنے دو!

سفید پیٹ والی تمام بھیڑیں

پل کی دیوار بن جائیں!

تمام چھوٹی بھیڑوں کو دیوار میں بھرائی بنے دو!

اونچے پہاڑی چٹانوں کا جوہر جنگلی کیل ہیں!

بڑے سینگوں والے جنگلی کیلوں کو

پل کے ابٹمنٹ کی دیوار بننے دیں۔!

تمام نوجوان اور چھوٹے جنگلی کیلوں کو ابٹمنٹ

کی دیوار میں بھرنے دو!

سمندر کے پانی کا جوہر

کہا جاتا ہے سنہری آنکھوں والی مچھلیاں ہیں!

سنہری آنکھوں والی نر مچھلی

کو پل کا مرکزی شہتیر بننے دیں!

سفید پیٹوں والی مچھلی

کو پل کا فرش بننے دو!

تمام چھوٹی مچھلیاں پل کی ریلنگ بن جائیں۔!"

دعا کرنے اور ان تمام چیزوں کے ہونے کی خواہش کرنے کے بعد، اس نے سوچا کہ اس کے والد خضر کے فضل سے اس کی تمام خواہشات پوری ہوں گی۔ اس کے بعد تمام جنگلی بھیڑیں آئیں اور پل کی دیوار بن گئیں۔ پھر چھوٹی بھیڑیں آئیں اور دیوار میں بھرنے لگیں اور دیوار بن گئے۔

جب دونوں ابٹمنٹ تیار ہو گئے تو سنہری آنکھوں والی تمام نر مچھلیاں آئیں اور پل کے لیے مرکزی شہتیر بن گئیں۔ اس کے بعد سفید پیٹ والی مادہ مچھلیاں آئیں اور پل کا فرش بن گئیں۔ چھوٹی مچھلیاں پل کی ریلنگ بن گئیں۔ اس معجزانہ انداز میں ایک پل کچھ ہی دیر میں تیار ہو گیا۔

جب پل تیار ہوا تو آپی ژھو نے سوچا، "میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ وہ خدا کے فضل کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی عظمت کو بھی بھول گیا تھا۔ وہ واقعی تھوڑا سا مغرور ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے گھمنڈ کے ساتھ پل پر سے سمندر پار کرنے لگا۔

اسی دوران ایک بڑی مچھلی سمندر میں گھوم رہی تھی۔ اس نے خواب دیکھا کہ صبح کے وقت ایک آدمی اور ایک گھوڑا سمندر میں آ رہے ہیں جو اس کا کھانا بن جائیں گے۔ پل عبور کرتے ہوئے جب اس کے گھوڑے نے ایک مادہ مچھلی کے پیٹ پر پاؤں رکھا جو پل کا فرش بنی ہوئی تھی، تو اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور گھوڑا اور اس کا سوار دونوں

فرش کے اس سوراخ سے نیچے گر گئے۔ وہ فوراً بڑی مچھلی کے منہ میں جا گرے۔ مچھلی نے سوچا، ''ایک عرصے سے، میں نے اتنا بڑا لقمہ نہیں کھایا۔ آج مجھے لگتا ہے کہ میں نے ایک شاندار ناشتہ کیا ہے، یہاں تک کہ دوپہر کا کھانا بھی! کھانے پر اتنا خوش ہوا کہ آسمان میں چھلانگیں لگانے لگا۔ یہ آسمان کے وسط تک پہنچا اور پھر دوبارہ سمندر میں گر گیا۔ مچھلی نے سوچا،

میں نے سنا ہے کہ ایک ساتواں آسمان بھی ہے۔ مجھے دوبارہ چھلانگ لگانی چاہیے تا کہ میں اس جگہ تک پہنچ سکوں۔ یہ سوچ کر اس نے دوبارہ پوری قوت سے چھلانگ لگائی اور ساتویں آسمان تک جا پہنچی۔ لیکن جب وہ واپس گری تو سمندر سے بہت دور ایک بڑے پہاڑ پر گری۔ اس نے بار بار ادھر ادھر چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس طرح اس کی موقع پر ہی موت ہو گئی۔ گھوڑا اور سوار اس کے جسم کے اندر تھے۔ وہ کافی دیر تک وہیں رہے۔

اسی دوران اوسے بزبا نے دیکھا کہ اس کے آقا آپی ژھو کا نشان یا پھول تھوڑا سا مرجھایا ہوا ہے۔ لہٰذا، اس نے دادی سے کہا کہ اسے اپنے مالک کی تلاش میں جانا پڑے گا کیونکہ وہ مشکل میں دکھائی دے رہا ہے۔

"مجھے سفر کے لیے کچھ کھانا دو"

بوڑھی عورت نے اسے ایک من چاول دیا۔ اسے اٹھا کر وہ آپی ژھو کی تلاش میں نکلا۔ جب وہ سمندر کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ تمام جنگلی بھیڑیں، بکریاں اور مچھلیاں آپی ژھو کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ پل پر چڑھ گیا اور مچھلیوں سے پوچھا کہ وہ وہاں کیوں انتظار کر رہی ہیں۔ وہ کہنے لگے ہمیں ایک بادشاہ نے کہا ہے کہ ہم اس کے لیے پل بن جائیں۔ اب ہم پیاسے اور بھوکے ہیں۔ ہم ایک طرف سورج کی گرمی سے جل گئے ہیں۔

پھر اوسے بزبا نے پل عبور کیا۔ جب وہ پل کے دوسری طرف پہنچا تو اس نے جنگلی بھیڑوں، بکریوں اور مچھلیوں سے کہا،

"مجھ سے وعدہ کرو کہ جب بادشاہ واپس آئے گا تو تم دوبارہ پل تعمیر کرو گے"؟۔ ان سب نے ایسا وعدہ کیا۔ اس یقین دہانی پر اس نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے چاول پانی میں پھینکے اور مچھلیوں سے کہا کہ وہ اسے کھا لیں۔ اس نے جنگلی بھیڑوں اور بکریوں سے کہا کہ پہاڑ پر جا کر کھاؤ پیو۔ جب بادشاہ آئے تو انہیں پل بنانے کے لیے دوبارہ آنا پڑے گا۔

وہ آگے چل کر ڈاکرڈاک نگ، نامی گاؤں میں پہنچا جہاں پچاس خاندان آباد تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد گاؤں کے آخر میں ایک بوڑھے آدمی اور ایک بوڑھی عورت سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بوڑھے کو سلام کیا۔ جس نے کہا: اے لڑکے! کہاں سے آئے ہو؟ اس جگہ پر کبھی کوئی اڑتا ہوا پرندہ نہیں آیا ہے، انسانوں کی تو بات ہی نہیں۔ راستے میں دیو اور آدم خور بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ راہگیروں کو کھا جاتے ہیں۔

اس نے جواب دیا،

ہاں، بوڑھے آدمی۔ میں کسی طرح یہاں پہنچا۔ میں دور دراز سے ہوں اور یہاں آنا پڑا۔ کیا آپ مجھے اپنے گھر میں رات گزارنے کی اجازت دیں گے؟ بوڑھے نے اسے رات ان کے ساتھ گزارنے کو کہا۔ اس نے اسے کھانا پیش کیا اور اس کے گھوڑے کے لیے بھی چارہ فراہم کیا۔ جب وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے تو بوڑھے نے ایک گہری آہ بھری۔ اوسے بزبا نے بوڑھے سے پوچھا،

"بوڑھے، تم کیوں آہ بھرتے ہو؟ کیا تم پریشان ہو کہ تم نے اپنا سارا کھانا مجھے اور میرے گھوڑے کو دے دیا ہے؟ اگر یہ وجہ ہے تو میں صبح اس کی قیمت ادا کروں گا۔ تمہیں

اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

بوڑھے نے جواب دیا

''نہیں میرے لڑکے مجھے تمہیں کھانا اور چارہ فراہم کرنے پر کوئی افسوس نہیں ہوا''۔

لیکن اوسے بزبانے بوڑھے سے اصرار کیا کہ وہ اسے سچ بتائے کہ وہ اتنا اداس کیوں نظر آرہا ہے۔ اس پر بوڑھے نے کہا:

اے میرے لڑکے! سچی بات یہ ہے کہ میرے نو بیٹے تھے۔ ان سب نے شادی کرلی ہے اور الگ الگ رہائش اختیار کرلی ہے۔ میری نو بیٹیاں بھی تھیں۔ ان سب کی شادیاں ہو چکی ہیں اور اپنے شوہروں کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ اس گاوں کے بالائی علاقے کے سرے پر آسمان سے ایک بڑی مچھلی گر گئی تھی۔ تمام پچاس گھرانوں نے مچھلی کے گوشت کے پچاس پچاس خچر کے بوجھ لائے ہیں۔ لیکن میرے بیٹے اور بیٹیاں میرے لئے مچھلی کے گوشت کا ایک لقمہ بھی نہیں لائے۔ یہی میری پریشانی کی وجہ تھی۔''

اوسے بزبانے کہا: ہائے! تمہاری پریشانی کی وجہ یہ تھی! کیا آپ کچھ پیک جانوروں اور کلہاڑیوں کا بندوبست کر سکتے ہیں؟ اگر آپ رات کو ان کا انتظام کر سکتے ہیں تو میں صبح آپ کے گھر والوں کے لئے بوریاں بھر بھر کے مچھلی کا گوشت لانے کے لیے آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ بوڑھے نے کہا اے میری بوڑھی عورت، تم اس لڑکے کو کھانا کھلاؤ۔ میں بوجھ اٹھانے کے لئے جانوروں کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ گاؤں میں گیا اور ساتھ ہی گاؤں والوں سے کہا کہ وہ اسے کچھ جانور ادھار دیں۔ وہ کافی فراخدل تھے اور انہوں نے پچاس جانوروں کے ساتھ بوریاں، رسی اور کلہاڑی بھی دی تھی۔ جب تمام جانور اس کے دروازے پر پہنچے تو صبح ہوگئی۔ پھر بوڑھا

آدمی اور اوسے بزبا اس جگہ کی طرف چلے گئے جہاں پر مردہ مچھلی پڑی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ پچاس خچر مچھلی کا گوشت ہر گھر کے لئے اٹھائے جانے کے باوجود مچھلی کی ایک چھوٹی پسلی پر سے گوشت کا تھوڑا سا حصہ ہی ختم ہوا تھا۔

اوسے بزبا نے بوڑھے سے کہا: اے بوڑھے! اب تم بوریوں کے منہ کو پکڑو، میں گوشت کاٹ کر ان میں ڈال دوں گا۔

جب اس نے مچھلی کی چھوٹی پسلی سے تقریباً پچاس خچروں کا گوشت کاٹا تو آپی ژھو نے باہر سے تھپکی کی آواز سنی۔ اس نے مچھلی کے جسم کے اندر سے پکارا،

"اے بدمعاش! یہ شور کیوں مچا رہے ہو؟ میں اور میرا گھوڑا پچھلے پانچ دنوں سے مچھلی کے جسم کے اندر ہیں۔ اگر مجھے باہر آنے کا موقع ملا تو میں آپ کے سر پر ایک بال بھی نہیں چھوڑوں گا اور آپ کے منہ میں ایک دانت بھی نہیں چھوڑوں گا۔

اوسے بزبا نے جب یہ آواز سنی تو پوچھا کہ مچھلی کے جسم میں کون، آپی ژھو نے کہا،

" آپ کون ہیں؟ مچھلی کی چیر پر کون تھپتھپا رہا ہے؟

اس پر اوسے بزبا نے جواب دیا" میں اوسے بزبا ہوں'۔

آپی ژھو حیران ہوا،

"اوہ! یہ میرا دوست ہے! اب گوشت کاٹ کر پھینک دیں۔ جسم کے اندر نہ کھانے کو خوراک ہے اور نہ پینے کو پانی۔ او، اوسے بزبا، اب اسے کاٹ کر میرے باہر آنے کے لیے ایک سوراخ بنا دیں۔

اوسے بزبا نے جواب دیا،

"اے میرے بہادر دوست، براہ کرم میری بات سنو!

اے میرے دوست تم نے اٹھارہ من آٹے کی روٹی کہاں رکھی

جو بوڑھی عورت نے تمہیں دی تھی؟

اٹھارہ من وزنی لوہے کا عصا تم نے کہاں رکھا ہے

تم نے اپنی آسمان کو چیرنے والی تلوار کہاں رکھی تھی؟

اگر بھوکے تھے تو روٹی کیوں نہ کھائی؟

مچھلی کی چھوٹی پسلی کو اپنے عصا سے ماریں۔

مچھلی کی چھوٹی پسلی کو تلوار سے کاٹ دو۔

جو آسمان کو چیرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس پر آپی ژھو نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور روٹی کا تھیلا پایا۔ اس نے کچھ روٹی لی۔ پھر دوبارہ ہاتھ بڑھا کر اپنا لوہے کا عصا ڈھونڈ لیا۔ اب اس نے اپنے عصا سے مچھلی کی چھوٹی پسلی پر اتنی زور سے مارنا شروع کیا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ چونکہ اوسے بزبا مچھلی کی چھوٹی پسلی سے گوشت کاٹ رہا تھا کہ اسے عصا کے زور سے پھینک دیا گیا اور سمندر کے کنارے پر جا گرا۔ اوسے بزبا کچھ دیر ریت میں بے ہوش پڑا رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ مچھلی کے پاس واپس چلا گیا اور کہنے لگا

اے میرے آقا آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ اٹھارہ من وزنی عصا سے وار کرنے والے ہیں۔ اس نے مچھلی کی پسلی توڑ دی اور مجھے سمندر کے کنارے ریت میں پھینک دیا۔

آپی ژھو نے جواب دیا،

"اے میرے دوست میں مچھلی کے جسم کے اندر ایسی چیزوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب میں ٹوٹی ہوئی پسلی کی جگہ سے نکل رہا ہوں۔ اوسے بزبا نے اصرار کیا کہ ایک اور پسلی توڑ دی جائے تا کہ آدمی اور گھوڑا دونوں آسانی سے باہر نکل سکیں۔

لیکن آپی ژھو نے اس خیال کو مسترد کر دیا،
میں ٹوٹی ہوئی پسلی کے سوراخ سے باہر آؤں گا۔ جب وہ باہر آیا تو دیکھا کہ آدمی اور گھوڑا دونوں کا ایک رخ تقریباً بوسیدہ چکا تھا۔ بوڑھے نے ٹوٹی ہوئی پسلی کے سوراخ سے اتنے بڑے آدمی کو نکلتے دیکھا تو ڈر کر بھاگا۔ اس نے اوسے بزبا سے کہا

''اے لڑکے! مچھلی کے جسم سے کیسا عفریت نکل رہا ہے!''

اوسے بزبا نے کہا، ''بوڑھے آدمی، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی عفریت نہیں ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے میں اس کی تلاش میں آیا ہوں۔

اس کے بعد، اوسے بزبا نے جانوروں کی پیٹھ پر مچھلی کا گوشت لاد دیا اور اپی ژھو کے ساتھ بوڑھے آدمی کے گھر واپس چلا گیا۔

بوڑھے آدمی کے لیے اوسے بزبا کی طرف سے لایا ہوا کافی گوشت جمع ہوا۔ اوسے بزبا نے اسے بتایا کہ یہ شخص ان کا بادشاہ شیر عباس خان آپی ژھو تھا جو سمندر میں گر کر ایک بڑی مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچا تھا۔ چونکہ آدمی اور گھوڑے دونوں کا ایک رخ بوسیدہ ہو چکا تھا، جب پوچھا گیا کہ کوئی (ڈاکٹر) ہے یا ان کو ٹھیک کرنے والی کوئی دوا موجود ہے؟

بوڑھے نے جواب دیا،

''نوجوان غم نہ کر۔ کل صبح سویرے دائیں طرف وادی میں جائیں۔ ایک وسیع سبز چراگاہ ہے جہاں بہت سے صاف چشمے ہیں۔ ان چشموں کا پانی دوا ہے۔ آپ کو طلوع فجر سے پہلے یا سورج کی کرنیں پہاڑ کی چوٹیوں کو چھونے سے پہلے جانا چاہیے۔ اس مقام پر پہنچتے ہی اس گھڑے کو چشمے کے پانی سے بھر دو۔ مختلف قسم کے پھول بھی ہیں۔ یہ قیمتی دوا ہیں۔ جب آپ وہاں پہنچیں گے تو آپ کو ایک کالا پرندہ نظر آئے گا۔ آپ کو اپنے گھوڑے

سے اترنا چاہئے اور صرف پرندے کو دیکھنا چاہئے۔ یہ پیلے، سرخ، نیلے اور جامنی رنگ کے پھولوں کو چن کر کھالے گا۔ جیسے ہی یہ پھولوں کو چنتا ہے، آپ کو ان کو اکٹھا کر کے اس جھولے میں ڈالنا چاہیے۔ اس کے بعد چڑیا تینوں چشموں سے پانی پیئے گی۔ آپ کو ہر چشمے سے اس پانی کا ایک ایک چمچہ جمع کرنا چاہیے۔ اس کے بعد پرندہ تین درختوں پر بیٹھے گا۔ ایک سنہری درخت، ایک فیروزی درخت اور ایک جامنی رنگ کا درخت۔ آپ کو ہر درخت سے ایک ایک چھڑی کاٹنا چاہیے اور پھر یہ تمام چیزیں لے کر واپس آجانا۔

جب بزبا وادی میں پہنچا تو اسے واقعی صاف چشمے، طرح طرح کے پھول اور تین قسم کے درخت نظر آئے۔ جیسے ہی وہ اپنے گھوڑے سے اترا، ایک کالا پرندہ پھولوں کو چونچنے لگا۔ اس کے بعد وہ چشمے کی طرف اڑ گیا اور پانی پیا۔ پھر وہ دوبارہ اڑ کر درخت کی شاخوں پر بیٹھ گیا۔ بزبا نے ہر قسم کے پھولوں میں سے کچھ پھول جمع کئے۔ پھر اس نے تمام چشموں سے ایک ایک چمچہ پانی جمع کیا۔ اس کے بعد اس نے تین قسم کے درختوں سے تین چھڑیاں کاٹ دیں۔ دوپہر کے کھانے کے وقت تک وہ تمام چیزیں لے کر واپس آیا۔ پھر بوڑھے نے اس سے پوچھا ''اے لڑکے! کیا آپ کو وہ چیزیں مل گئیں؟''

بزبا نے کہا، ''ہاں دادا! میں نے ان چیزوں کو دیکھا اور میں نے چشموں سے پھول اور پانی اور تین درختوں سے تین چھڑیاں اکٹھی کیں۔

اس کے بعد انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر ان پھولوں کو مارٹر میں پیسنا شروع کیا۔ اسے تانبے کے برتن میں ڈال کر اس پر جادوئی پانی ڈالا گیا اور اس کا پیسٹ بنایا گیا۔ پھر بوڑھے نے وہ پیسٹ اپی ژھو کے بوسیدہ حصے پر لگایا اور وہ راتوں رات ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح گھوڑے پر لگایا گیا اور گھوڑے کے زخم بھی کچھ ہی دیر میں ٹھیک ہو گئے۔

آپی ژھو نے انعام کے طور پر بوڑھے کو کچھ اشرفیاں (سونے کے سکے) دیئے۔

اسی طرح بزبا نے بوڑھے کو کچھ اشرفیاں دیں۔

اس کے بعد، آپی ژھو اور بزبا دونوں آگے بڑھے۔ جب وہ پل کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے تمام جنگلی بھیڑوں اور مچھلیوں کو پل بنانے کے لیے جمع ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب نے آ کر فوراً پل بنایا۔ اس کے بعد، وہ پل کے اوپر سے گزر گئے۔

آپی ژھو نے کہا، ''اے بزبا، یہ پھول اپنے پاس رکھو۔ مجھے کچھ برا ہوا تو یہ پھول مرجھا جائے گا۔ آپ کو میری مدد کے لیے آنا چاہیے۔ یا اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو بچانے کے لیے آؤں گا۔''

یہ کہہ کر آپی ژھو آہایول کی طرف بڑھا جبکہ بزبا شیر علی کچے کی طرف لوٹ گیا۔

دریا کے کنارے ایک راستہ تھا۔ آپی ژھو نے پہاڑ کے آخر میں نوسروں کے ساتھ ایک عفریت دیکھا۔ وہ ایک پہاڑ پر سر ٹکائے ہوئے تھا۔ صرف ایک سر جاگ رہا تھا اور راستہ دیکھ رہا تھا۔ دوسرے سر آرام سے سو رہے تھے۔ عفریت کی چوکنا نظروں کی موجودگی میں آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ یہ عفریت آہایول کے راستے میں ایک چوکیدار تھا۔ یہ عفریت سانس لینے کے دوران اڑتے پرندوں کو گھونٹ لیتا تھا، اس لیے آپی ژھو نے سوچا کہ اسے مزید آگے نہیں جانا چاہیے۔ اس کے بجائے، اسے عفریت سے بات کرنی چاہیے۔ اس طرح، اس نے کہہ

''آہالے آہا! پورے پہاڑ پر ایک دیو پھیلا ہوا ہے

آہا! نوسروں والا راکشس پورے پہاڑ پر قابض ہے!

آہاہالے آہا، اے چچا ہم باپ بیٹا بنیں گے!

آہاہالی آہا، میرے چچا جب تک زندہ ہیں، میں تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔

اور جب تک میرے چچا زندہ ہیں آپ میرا خیال رکھیں گے۔

آہاہالی آہا! براہ کرم مجھے آہایول کے راستے کے بارے میں بتائیں۔

آہاہالی آہا! میں شیر علی کچے سے آرہا ہوں۔

اور میں آہایول جا رہا ہوں۔ آہاہالی آہا!

شیر علی کچے میں ایک لڑکا ہے۔

اور میں اس کے لیے دلہن لانے جا رہا ہوں۔

آہاہالی آہا!

کہتے ہیں کہ ایک پالکی مندوک چوچو ہے۔

آہاہالی آہا!

کہتے ہیں آہایول میں ایک گل خندن چوچو ہے۔"

تو اس عفریت کے ایک سر نے جو جاگ رہا تھا جواب دیا،

"اے بچے! اے انسان کے کیڑے! آپ بے عقل انسان ہیں۔

اے اکیلا گھوڑے والا اکیلا آدمی، تو بہت سست انسان ہے۔

جب میں گھوڑے کو دیکھتا ہوں تو وہ جھینگر سے بڑا نہیں ہے!

جب میں آدمی کو دیکھتا ہوں تو وہ انگوٹھے سے بڑا نہیں ہے!

لیکن تیرا غرور پہاڑ سے بھی بڑا ہے!

تیرا غرور چٹان سے بڑا ہے!

تیرا نصیب بہت کم لگتا ہے!

تیرا مقدر بہت چھوٹا لگتا ہے!

اے انسان! اپنی جان بچاتے ہوئے، آپ کو

اپنے ملک واپس جانا ہو گا!

اپنے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کو

اپنے ملک واپس جانا چاہیے!

آہایول کا راستہ بغیر قیمت کے نہیں مل سکتا

آہایول کا ملک بغیر کسی قیمت کے دریافت نہیں کیا جا سکتا۔

میں، راکشس سنتری، کسی پرندے کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دوں گا!

میں، راکشس، محافظ، کسی کیڑے کو وہاں کی طرف حرکت نہیں کرنے دوں گا!

اگر میں تمہیں کھا لوں تو یہ میرے دانتوں کا خلا بھی نہیں بھر پائے گا!

میں تمہیں پی لوں، یہ میرے لیے ایک گھونٹ بھی نہیں ہو گا

لہذا، آپ آہایول کا راستہ نہیں جان سکتے۔

آہایول کے راستے میں بہت سے دیو اور انسان کھانے والے ہیں۔ جن میں ڈینمور ہو کر،

چھوٹی دم والے بھیڑیے اور برفانی چیتے کے سنتری ہیں۔!

میں تمام راکشسوں کا سربراہ ہوں!

کوئی بھی آہ یول کی طرف آج تک نہیں گیا اور نہ ہی اس راستے کو پار کیا ہے!

آسمان پر اڑنے والے پرندے بھی اس مقام سے نہیں گزر سکتے!

چونکہ آپ نے مجھے اپنا چچا کہہ کر مخاطب کیا، اس لئے

میں آپ سے آہستہ سے کہتا ہوں کہ واپس چلے جائیں۔

ورنہ اگر میں تمہیں کھا جاؤں تو یہ میرے دانتوں کا خلا بھی نہیں بھر سکے گا''۔

اس پر آپی ژھو نے جواب دیا،

"اے میرے چچا، نو سروں والے عفریت! براہ کرم میری بات سنیں!
آپ اور میں چچا بھتیجے کی طرح زندگی گزاریں گے۔
اگر تم بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو میں تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔
اگر میں کمزور ہو گیا تو تم میرا خیال رکھنا۔
مجھے آہایول جانا ہے اور جانا ہے۔
اگر تم مجھے ہڑپ کرنے کا سوچو گے تو بھی میں واپس نہیں جاؤں گا۔
اگر آپ اسے گناہ نہیں سمجھتے
تو آپ مجھے کھا لیں چچا جان۔
اگر آپ کو مجھ پر ترس نہیں آتا تو
چچا جان آپ مجھے پی لیں۔"

عفریت اسے گھونٹ دینے ہی والا تھا کہ آپی ژھو نے اپنا نیزہ لیا اور اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر عفریت نے آپی ژھو کو گھوڑے کے ساتھ مل کر چوس لیا اور اسے کھا گیا۔ لیکن طویل نیزے کی وجہ سے عفریت اپنا منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس طرح، آپی ژھو اور اس کا گھوڑا دونوں سانس لے سکتے تھے۔ وہ عفریت کے جسم میں زندہ رہے۔ پھر آپی ژھو نے اپنی سنہری آنکھوں والی تلوار نکالی اور عفریت کی پسلی کاٹنے لگا۔ عفریت نے اپنے نو منہ سے پانی پیا، اس کے جسم میں پانی بھر گیا۔ لیکن ہر کٹ سے پانی نکلتا تھا۔ اس طرح آدمی اور گھوڑا دونوں زندہ رہے۔

اس پر عفریت نے یوں کہا،

"اے انسان! میرے اندر بیٹھنے والے! میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ میں یہ نہیں سمجھا کہ آپ ایک بہادر نائٹ ہیں۔ اگر تیرا کرم ہے تو مجھے مت مارنا۔ اگر آپ کافی

مہربان ہیں تو براہ کرم مجھے جانے دیں۔ جب تک زندہ رہوں گا، تیری خدمت کروں گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر آہایول جاؤں گا۔ ہم دونوں پالکی مندوک چو چولائیں گے۔ ہم دونوں گل خندن چو چو کو بھی لینے جائیں گے۔ ہاں، ہم دونوں ان تینوں شہزادیوں کو لینے جائیں گے۔ ہاں میں تمہیں آہایول کا راستہ دکھاؤں گا۔ ہاں، میں تمہاری خدمت کروں گا، بھتیجے۔ اگر تم مجھے جانے دو تو میں تمہیں انعام دوں گا اور تمہیں آہایول کا ملک مفت میں ملے گا"۔

اس کے بعد، آپی ژھو نے عفریت کے جسم کے اندر سے جواب دیا،

"او نو سروں والے چچا عفریت، میری بات سنو!

اے چچا عفریت ذرا میری بات سنو!

اس سے پہلے میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی۔

لیکن آپ نے گھٹیا اور خودسری کا مظاہرہ کیا!

موجودہ لمحے میں، مجھے نہیں لگتا،

مجھے چھوڑ دینا چاہیے اور آپ کو جانے دینا چاہیے۔

آپ کے جسم میں،

گھوڑوں کی دوڑ کے لیے ایک بہت بڑا کھیل کا میدان ہے!

کوارٹس کا پولو گراؤنڈ اس سے زیادہ بڑا نہیں رہا!

یہاں تک کہ فیروزے سے بنا پولو گراؤنڈ بھی اس سے لمبا نہیں ہے۔

اب میں گراؤنڈ کے اوپری حصے میں پولو کھیلوں گا

اور پھر نیچے کھیلوں گا۔

اے چچا! اگر میں کھانا چاہتا ہوں تو

آپ کے جگر کا لذیذ ترین گوشت موجود ہے!

اے چچا! اگر میں اسے لینا چاہتا ہوں، تو

اوگرے کے پھیپھڑوں کا سب سے لذیذ گوشت موجود ہے!

اگر میں ہا کی اسٹک کے ساتھ کھیلنا پسند کرتا ہوں، تو

آپ کے جسم میں آنتوں کا یہ جھکاؤ ہے!

اگر مجھے پولو کھیلنا پسند ہے تو اس

کے لئے آپ کے جسم میں گردے ہیں"۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا گھوڑا چابک مار کر راکشس کے جسم میں دوڑایا اور اس کے دل اور جگر پر تلوار سے وار کیا۔ پھر عفریت زمین پر گرنے لگا۔

اس نے راکشس کے پہلو میں ایک سوراخ کاٹا اور اس سے بحفاظت باہر نکل آیا۔ پھر اسکے جسم کو جلا کر باریک ذرات کو ہوا میں پھینک دیا اور موٹے ذرات کو دریا میں پھینک دیا۔

اس کے بعد وہ دریا کے کنارے کنارے اہایول کی طرف بڑھا۔ کچھ دیر بعد اس نے دریا کے بیچوں بیچ ایک جزیرے پر سات پریاں دیکھی۔ اس نے سوچا کہ ان سے آہایول کے راستے کے بارے میں پوچھیں۔ اس نے کہا،

آہ ہالی آہا! میں دریا کے کنارے سات پریاں دیکھ رہا ہوں!

اے سات لہومو! براہ کرم میری بات سنیں۔

اے اچھے لہومو! برائے مہربانی سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں!

اے میری بہن لہومو! آہایول کا راستہ کہاں سے ہے؟

میں دور دراز ملک کا مسافر ہوں۔

میں پالیکی مندوک چو چولانے جا رہا ہوں!

میں گل خندن چو چولانے جا رہا ہوں!

جیسا کہ میں اس سرزمین میں ایک اجنبی ہوں، براہ کرم میری رہنمائی کریں

اور مجھے آہایول کا راستہ دکھائیں۔

اس پر، لہوموییں سے ایک نے جواب دیا،

"تم انسانوں کے ملک سے آئے ہو! میری بات سنو۔

آہایول کا راستہ آپ کو نہیں مل سکتا

کھلے منہ والے شیروں کے سنتری ہیں

سفید گلے والے ریچھوں کے سنتری ہیں!

چھوٹی دموں والے بھیڑیوں کے سنتری ہیں!

کالی اور سفید کھال والے بوڑھے تیندوے بھی بیٹھے ہوئے ہیں!

بہت سے اوگرا اور آدم خور بیٹھے ہوئے ہیں

راہ میں ہر نفوزنگی بیٹھے ہوئے ہیں۔

اب جب میں اسے دیکھ رہا ہوں،

آپ کا جسم ٹھیک اور مضبوط نظر آتا ہے۔

لیکن اگر آپ ان کے ذریعہ کھا لئے جائیں گے تو یہ بہت افسوسناک ہوگا۔

کوئی اڑتا ہوا پرندہ اس ملک میں کبھی نہیں گیا ہے

اس ملک میں کبھی کسی قسم کے کیڑے رینگ کر نہیں گزرے ہیں۔

بہتر ہے کہ آپ اپنی جان بچا کر اپنے ملک واپس جائیں۔

اگر آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر واپس چلے جائیں تو بہتر ہے"

اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کہا،

''اے میرے جنگلی گدھے کے بچے! ذرا میری بات سنو

اے میرے عظیم گھوڑے، نور بو چپ چن، سنو میں کیا کہتا ہوں

میں آپ کو اپنے ایلون کوڑے سے تین بار ماروں گا،

تب آپ کو سرپٹ دوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنا چاہیے۔

پھر سرپٹ دوڑ کر تین وادیوں کے سنگم تک پہنچنا چاہیے۔

اور پھر سرپٹ دوڑتے ہوئے، آپ کو بلند پہاڑی جھیل تک پہنچنا چاہیے۔

ایک اور سرپٹ دوڑتے ہوئے، آپ کو اونچے پہاڑ تک پہنچنا چاہیے۔

ایسا کرنے سے پہاڑی سلسلہ تھوڑا ہل جائے گا۔

ایسا کرنے سے مشرق کی چٹانیں تھوڑی ہل جائیں گی۔

ایسا کرنے سے دریا اوپر نیچے ہل جائے گا۔

ایسا کرنے سے دریا کناروں تک بھر جائے گا''۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو تین بار چابک مارا اور گھوڑا پوری رفتار سے دوڑنے لگا۔ یہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا اور چٹانیں ہلنے لگیں۔ پھر پہاڑی جھیل کے قریب پہنچا اور جھیل لرزنے لگی۔ جب یہ تینوں وادیوں کے سنگم پر پہنچا تو وادیاں لرزنے لگیں۔ جب وہ دریا کے قریب پہنچا تو دریا کانپنے لگا اور اس کی لہروں نے سات لہوموکو سیلاب میں ڈال دیا۔ اس کے بعد گھوڑا دریا کے کنارے پر اترا۔

اس پر لہوموں میں سے ایک نے کہا،

''اے باپ بادشاہ! براہ کرم میری بات سنیں

اے میرے عظیم جنگجو! سنو میں کیا کہتی ہوں

اگرچہ آہایول کا ملک ناقابل تسخیر ہے،

لیکن لگتا ہے تم اسے فتح کر سکتے ہو۔

جب آپ کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا تو

اونچے اونچے پہاڑ لرزنے لگے۔

عظیم دریا کا پانی کانپنے لگا۔

اہایول کا راستہ دائیں طرف سے ہے۔

پھر آپ کو سرخ مٹی کا راستہ مل جائے گا۔

اس کے بعد نیلی مٹی کا ایک راستہ آگے پھیلا ہوا ہے۔

اور پھر سنہری مٹی کا راستہ ہے۔

جب آپ اس سے آگے بڑھیں گے تو آپ کو لاکھ کا ایک راستہ ملے گا،

اور اس کے بعد، لاکھ کا ایک پہاڑ آئے گا۔

پہاڑ کے اوپر، لاکھ کا ایک محل ہے

جسے 'لالڈونگ کھر' کہتے ہیں۔

اس محل میں پالکی مندوک چوچو ہے۔

اور اس لاکھ کے محل میں گل خندن چوچو بھی ہے۔

اس ایک محل کے راجا کا نام حسن منڈیل ہے۔

ان کی ایک بیٹی ہے جس کا نام پالکی مندوک چوچو ہے۔

دوسرے راجہ کا نام حسین منڈیل ہے۔

اس کی بھی ایک بیٹی ہے۔

وہ گل خندن چوچو ہے۔

اگر آپ وہاں سے اور بھی آگے بڑھیں گے
تو آپ آہایول کے ملک میں پہنچ جائیں گے۔
آہایول کے ملک میں راجہ گنگس سینگے ہے۔ اُس
راجہ کی بھی ایک انتہائی خوبصورت شہزادی ہے۔
اونچے پہاڑ میں، ایک اوگری ہے جن کا نام زنگی ہے۔
اور درے کی چوٹی پر، ایک اوگری ہے، چورو۔ اس کا نام ہے
اگرچہ یہ سپاہی وہاں موجود ہیں پھر بھی
آپ ان کو شکست دینے کے لیے کافی بہادر دکھائی دیتے ہیں۔
راجہ کی شہزادی کا چہرہ بہت خوبصورت ہے۔
اس کے پاس ایک روشن ستارہ ہے اور
لہوترانا کپو، اس کے پیروں کے نیچے بیٹھا ہے۔
اس کے کندھے عظیم لامو کے حفاظتی تعویذوں سے مزین ہے۔
وہ اپنی کمر کے گرد 'نور بوکوک لجاق' پہنتی ہے۔
آپ وہاں جاسکتے ہیں۔''

آپی ژھو نے اُنہیں کچھ سونے کی اشرفیاں دیں۔ لُھومو خوش ہوا اور اسے روٹی کا ایک ایک ٹکڑا دیا۔ اے باپ بادشاہ! روٹی کے یہ سات ٹکڑے آپ کے سفر کے لیے خوراک ہیں۔ یہ آہایول تک رہیں گے جب تک آپ اپنے گھر واپس نہیں پہنچیں گے۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ جیسے ہی اس نے ایک ٹکڑا توڑ دیا، اس نے جادوئی طور پر اپنی شکل دوبارہ حاصل کی اور دوبارہ بھر گیا۔ تو، اس نے اندازہ لگایا کہ روٹی کا ایک ٹکڑا ایک مہینے تک چلے گا۔ اس طرح اس نے

آگے کا سفر کیا اور لا کھ درہ کے اوپر پہنچ گیا۔ لاکھ درے کے دامن میں دو محل تھے۔ پھر وہ حسن منڈیل کے محل کے قریب پہنچا۔ محل کے دروازے اور کھڑکیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے سوچا اسے پکارنا چاہیے۔ شاید کوئی اس کی پکار کا جواب دے؟ چنانچہ اس نے بلند آواز میں کہا،

"میں ایک محل دیکھ رہا ہوں جس کے دروازے اور کھڑکیاں نہیں ہیں۔

مجھے بتایا گیا کہ یہ محل راجہ حسن منڈیل کا ہے۔

اے راجہ حسن منڈیل! کیا آپ اپنے محل سے باہر آجائیں گے؟

میں دور دراز ملک کا مسافر ہوں۔

شیر علی کچے کے محل میں ایک لڑکا رہتا ہے۔

لڑکے کا نام نمالدے بلدے ہے۔

میں اس کے لیے دلہن کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔

میں دلہن کی قیمت پہلے ادا کر دوں گا اور

شادی کی پارٹی بعد میں آئے گی۔

شادی کی پارٹی کے اٹھارہ ارکان

پہنچنے والے ہیں!

اٹھارہ ارکان، سفید کپڑوں سے آراستہ ہو کر آئیں گے۔!

چھونگ پیلے کے جھولے میں سب کچھ ہے (ایک افسانوی شخصیت سے مراد ہے جس کی جھولی میں سب کچھ مل سکتا تھا)۔

ایک مرجان کا ہاتھ ہے جو لہرائے جانے کے قابل ہے،

جو آپ کی خوبصورت بیٹی کو دلہن کی قیمت کے طور پر دیا جائے گا۔

تانبے کا جادوئی کتا لایا ہوں جو بھونکنے کے قابل ہے۔
اسے دلہن کی قیمت کے طور پر دیا جائے گا۔
فیروزے کا گول اوکھلی لایا ہوں
جو دلہن کی قیمت کے طور پر ادا کیا جائے گا۔
سیپ کا بنا ہوا جادوئی لڑکا لایا ہوں جو بولنے کے قابل ہے۔
وہ بھی دلہن کی قیمت میں دیا جائے گا۔
تمام قسم کے زیورات لائے گئے ہیں۔
بُنے ہوئے موتیوں کی ایک گیند ہے
جو دلہن کی قیمت کے طور پر دی جائے گی۔
سمندری خول کا ایک جادوئی میمنا ہے جس کا اون کترنے کے قابل ہے۔
جسے دلہن کی قیمت کے طور پر دیا جائے گا۔
شہزادی کی پرورش اور پرورش کے اخراجات کا
تعین کر لیا گیا ہے اور بارات پہنچنے والی ہے"۔
اس پر حسن منڈیل کھڑکی کے پاس آئے اور جواب دیا،
"اے تنہا گھوڑے والے! میں جو کہتا ہوں سنو
اگر میں اپنی بیٹی کو نکاح میں دینے پر راضی بھی ہوں تو بھی
اس کے ماموں کی غیر موجودگی میں ایسا نہیں کر سکتا۔
اگر میں اسے دینا پسند کروں تب بھی اس کی خالہ کی غیر موجودگی میں ایسا نہیں کر سکتا۔
وادی کے بہت دور اندر میں بائیں طرف لڑکی کی خالہ رہتی ہیں۔
کچھ پھوق پھیا ق تت لے کر آپ کو وہاں ضرور جانا چاہیے (روایتی روٹی اور مکھن)۔

اسے شادی میں مدعو کرنے کے لئے۔

خالہ کی غیر موجودگی میں دلہن کو کون لے جائے گا؟

اس لیے اسے یہاں مدعو کرنا ضروری ہے۔

جب بیٹی کی خالہ آئیں گی تو میں آپ کو دلہن دے دوں گی"۔

اس طرح آپی ژھو، دلہن کی خالہ کی تلاش میں وادی میں چلا گیا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد نو وادیاں اور نو پہاڑی درے عبور کر کے تین وادیوں کے سنگم پر پہنچے۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ ایک اوگری، رنموزنگی، پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا۔ اس کا ایک سینہ مشرقی پہاڑ پر اور دوسرا مغربی پہاڑ پر رکھا ہوا تھا اور اس کا سر تین پہاڑیوں کے نیچے ٹکا ہوا تھا۔ آپی ژھو نے سوچا۔ اوہ! انہوں نے مجھے یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ مجھے دلہن کی خالہ کھا جائے نہ کہ دلہن کی خالہ کو لانے کے لیے۔

تاہم، اس نے اس انداز میں اوگری، کو مخاطب کیا،

"پہاڑی کی چوٹی پر میں دلہن کی خالہ کو دیکھ سکتا ہوں۔

راجہ حسن منڈیل نے خالہ آپ کو پیغام بھیجا ہے۔

چونکہ، دلہن کی قیمت کا اندازہ ہو چکا ہے،

اور شادی کی پارٹی بھی پہنچنے والی ہے،

اس نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی کے لیے آئیں،

دلہن کا جہیز اپنے ساتھ لے جائیں۔

دلہن کی آنٹی کی غیر موجودگی میں،

اسے لے جانے والا کوئی نہیں ہے۔

اے خالہ! براہِ کرم لاچی محل تشریف لائیں"۔

اس کے بعد، اوگری نے اپنا سر اٹھا کر بولا،

"آہاہالی آہا! اے چھوٹے گھوڑے کے ساتھ آئے چھوٹے آدمی،

میری بات سنو۔

اے تنہا آدمی اور اکیلا گھوڑے والا، ذرا میری طرف توجہ دو

آہاہالے آہا، میں حسن منڈیل کو نہیں جانتی ہوں

ہاں، میں نہیں جانتی وہ بھینسہ حسن منڈیل کون ہے۔

آہاہالے آہا، اگر میں تجھے کھا جاؤں تو

میرے دانتوں کا خلا بھی نہیں بھر سکے گا۔

اور اگر میں تمھیں پی لوں

تو یہ میرے لیے ایک گھونٹ نہیں ہوگا۔

آہاہالی آہا! آپ کے لیے بہتر ہے

کہ آپ اپنی جان بچا کر اپنے گھر واپس چلے جائیں۔

اپنی جان بچا کر اور اپنے گھورے پر سوار

ہو کر اپنے ملک واپس جانا تمہارے لیے بہتر ہے۔

آہاہالی آہا!

میں اس آدمی کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ انگوٹھے سے بڑا نہیں ہے

میں اس کا گھوڑا دیکھ رہا ہوں، جو جھینگر سے بڑا نہیں ہے"۔

اس پر آپی ژھو نے جواب دیا،

اے ہر نموزنگی، میری سنو،

اگر آپ مجھے نگلنا پسند کرتے ہیں تو یہ آپ کی اپنی مرضی پر منحصر ہے،

اگر آپ مجھے پی لینا پسند کرتے ہیں تو یہ بھی آپ کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔
میں، اکیلا آدمی اور میرا اکیلا گھوڑا، واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

اس پر زنگی مو نے سر اٹھایا۔

آپی ژھو نے اپنے گھوڑے سے کہا،

اے جنگلی گدھے کے بچے! میں آپ کو تین الفاظ بتاؤں گا

اے میرے عظیم گھوڑے! میں آپ کو تین باتیں بتاؤں گا

جب میں آپ کو کوڑے سے ماروں گا تو

آپ کو پہاڑ کی چوٹی کی طرف کودنا ہوگا۔

تب مَیں اپنی تلوار اس زنگی مو کے سینے پر ماروں گا۔

جب میں تجھے دوبارہ اپنے کوڑے سے ماروں تو،

چراگاہ کی طرف کودنا ہوگا۔

پھر میں اپنی تلوار اس کے دائیں سینے پر ماروں گا۔

جب میں آپ کو تیسری بار اپنے کوڑے سے ماروں گا تو،

آپ کو تینوں وادیوں کے سنگم کی طرف چھلانگ لگانی ہوگی۔

پھر میں زنگی کا سر کاٹ دوں گا۔

اے میرے گھوڑے! میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس ایسا کرنے کی صلاحیت ہے

اے میرے گھوڑے، چیپس چن نور بو

آپ میں ایسا کرنے کی صلاحیت موجود ہے"۔

جیسے ہی اس نے اپنے گھوڑے کو چابک مارا، وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف لپکا۔ آپی ژھو نے اپنی تلوار دوبارہ چلائی اور اس کی دائیں چھاتی کاٹ دی۔ جب اس نے اپنے

گھوڑے کو دوبارہ چابک مارا تو وہ چراگاہ کی طرف لپکا۔ پھر آپی ژھو نے اپنی تلوار اٹھائی اور اس کی دوسری چھاتی کاٹ دی۔ ایک بار پھر، اس نے اپنے گھوڑے کو چابک مارا اور وہ تینوں وادیوں کے سنگم کی طرف لپکا۔ اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور اس ظالم کا سر کاٹ دیا۔ وہ وادی میں گر کر مر گئی۔

آپی ژھو نے پھر زنگی مو کی کھال اتاری اور اسے بھوسے سے بھر دیا۔ اس نے بھری ہوئی کھال اپنے گھوڑے پر ڈالی اور حسن منڈیل کے محل میں واپس آیا۔ اسے محل کی چھت پر پھینک کر اس نے دوبارہ حسن منڈیل کو پکارا،

"اے حسن منڈیل، کھڑکی کے پاس آؤ! میں اپنے ساتھ لڑکی کی خالہ کو لایا ہوں اور وہ محل کی چھت پر دھوپ میں ٹہل رہی ہے۔ اب اگر آپ دلہن ہمیں دینا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ اس کی شادی کی بارات آنے والی ہے۔

حسن منڈیل محل کی چھت پر چڑھا اور اس نے زنگی کی بھری ہوئی لاش دیکھی۔ پھر وہ کھڑکی پر آیا اور کہنے لگا،

"اے تنہا آدمی اور اس کا اکیلا گھوڑا! میری بات سنو

اے بہادر، میری بات سن!

اگر لڑکی کی خالہ بھی پہنچ گئی ہیں تو ہم آپ کو دلہن نہیں دے سکتے

کیونکہ اس کے ماموں غائب ہیں۔

لہذا، آپ کو دائیں طرف وادی کے اندر دور تک جانا چاہیئے۔

کیونکہ لڑکی کے ماموں وہاں رہتے ہیں۔

جائیے اور اس سے کہیں کہ وہ میری بیٹی کی شادی پر آئے۔

سات کپڑے لے کر، اسے شادی کے لئے آنا چاہیے۔

لڑکی کا جہیز لے کر شادی کے لیے آنا چاہیے۔

اور اسے بتائیے کہ پالکی مندوک چوچو کی شادی کی پارٹی آ چکی ہے۔۔

لڑکی کے ماموں کے بغیر دلہن کو نہیں بھیجا جا سکتا۔

اس طرح، آپی ژھو دوبارہ دلہن کے ماموں کو لانے کے لیے دائیں جانب وادی میں چلا گیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ وہاں سے، اس نے چورلوگو نامی ایک اوگر کو پہاڑ کی چوٹی پر سوتے ہوئے دیکھا۔ اس کی ایک ٹانگ مشرقی پہاڑ پر اور دوسری ٹانگ دوسرے پہاڑ پر ٹکی ہوئی تھی۔

آپی ژھو نے اوگر کو اس طرح مخاطب کیا،

"پہاڑی کی چوٹی پر لیٹے ہوئے، لڑکی کے ماموں ہیں۔ پورے پہاڑی سلسلے پر محیط، پالیکی مندوک چوچو کے ماموں آرام کر رہے ہیں۔

اے چچا! راجہ حسن منڈیل نے مجھے یہ پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے کہا ہے

کہ ان کی بیٹی کی دلہن کی قیمت ان کے محل میں پہنچ چکی ہے۔

اور پالیکی مندوک چوچو کی شادی کی پارٹی بھی پہنچ چکی ہے۔

لڑکی کی شادی کی دعوت آج یا کل مقرر کر دی گئی ہے۔

آپ کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

آپ کو دلہن کے لیے سات کپڑے لے کر آنے کو کہا گیا ہے۔

اے چچا! چلو شادی کے لیے چلتے ہیں!

اے چچا! میں آپ کے ساتھ شادی کی دعوت میں جاؤں گا۔

میں آدھی اشیاء اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر لاد دوں گا۔

چلو اب شادی کی تقریب میں آگے بڑھتے ہیں۔

تب راکشس نے سر اٹھایا اور کہا۔

"اے انسانوں کی دنیا کے کیڑے

اے تنہا آدمی اور اس کا اکیلا گھوڑا! میں جو کہتا ہوں سنو

اے اکیلے گھوڑے والے اکیلے آدمی، تو احمق لگتا ہے

اے اکیلے گھوڑے والے اکیلے آدمی، تم ایک گھٹیا آدمی لگتے ہو

میں کسی لالچی لالڈ ونگ محل کو نہیں جانتا

میں کسی حسن منڈیل کو نہیں جانتا

نہ میں پالیکی مندوک چوچو کا ماموں ہوں

چونکہ میں اونچے پہاڑ کا بادشاہ ہوں

میں اعلیٰ میدانوں کا سردار ہوں

میرا نام رُدت چورولوگو ہے۔

اگر میں تمہیں کھالوں تو یہ میرے دانتوں کا خلا بھی نہیں بھر سکے گا

اگر میں آپ کو پی لوں تو یہ میرے لئے ایک گھونٹ بھی نہیں ہوگا!

جب میں آدمی کو دیکھتا ہوں تو وہ انگوٹھے سے بڑا نہیں لگتا

جب میں اس کے گھوڑے کو دیکھتا ہوں تو وہ جھینگر سے بڑا نہیں لگتا۔

جب میں تیرا غرور دیکھتا ہوں تو پہاڑ سے بھی بڑا لگتا ہے۔

مگر تیرا نصیب دیکھوں تو پرندے کے بیٹ سے بڑا نہیں ہے۔

اپنی جان بچاتے ہوئے، بہتر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں

اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر، تمہیں اپنے گھر واپس جانا چاہیے"۔

تو آپی ژھو نے جواب دیا،

"اے لڑکی کے ماموں، یہ چند باتیں سنو!

اے دود چور لوگو! میں جو کہتا ہوں سنو!

اگر آپ مجھے کھانا پسند کرتے ہیں تو یہ آپ کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔

اگر آپ مجھے پینا پسند کرتے ہیں تو یہ بھی آپ کی مرضی ہے چچا۔

میں واپس جانے والا نہیں ہوں!

میں ایسا شخص نہیں ہوں جو بھاگ جاؤں۔

تب راکشس نے اپنے گھوڑے سمیت اس آدمی کو پینا چاہا۔ لیکن آپی ژھو نے اپنے گھوڑے سے کہا،

"اے میرے گھوڑے، چیپس چن نور بو، میری بات سنو

اے جنگلی گدھے کے بچے! میں جو کہتا ہوں سنو

میں تمہیں اپنے ایلون کوڑے سے تین بار ماروں گا۔

اس کے ساتھ، آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر سرپٹ دوڑ کر چھلانگ لگانی ہوگی۔

پھر میں آدم خور اوگر کا سر کاٹ دوں گا۔

ایک بار پھر، میں آپ کو اپنے ایلون کوڑے سے تین بار ماروں گا۔

اس کے ساتھ، آپ کو سرپٹ دوڑ کر اونچے پہاڑ کی جھیل پر چھلانگ لگانی ہوگی۔

پھر میں آدم خور راکشس کا ایک بازو کاٹ دوں گا"۔

اس کے بعد، اس کا گھوڑا پھر سے تین وادیوں کے سنگم کی طرف لپکا اور آپی ژھو نے عفریت کا دوسرا بازو کاٹ دیا۔ اس طرح عفریت مارا گیا۔ اس نے اوگر کی کھال اتاری اور اسے گھاس، تنگے اور بھوسے سے بھر دیا۔ پھر وہ بھری ہوئی کھال اپنے گھوڑے پر لاد کر دوبارہ لالڈ ونگ کھر کے محل کے نیچے پہنچا۔ اس نے اسے محل کی چھت پر پھینک دیا

اور پکارا

"اے راجہ حسن منڈیل، کھڑکی کے پاس آؤ

اے حسن منڈیل اب میری بات سنو

لڑکی کے ماموں۔ محل کی چھت پر پہنچ گئے ہیں

گوس چن رڈنپا کو لے کر وہ چھت پر پہنچ گیا ہے،

اگر آپ دلہن کو دینے کے لیے تیار ہیں، تو ابھی وداع کر دیں

اگر آپ اب بھی راضی نہیں ہیں تو پھر مزید بہانے مت بنائیں

تم بعد میں پچھتاؤ گے۔

مگر حسن مندل کھڑکی پر نہ آیا۔ اس کے سوالوں کا جواب بھی نہیں دیا۔

آپی ژھو کو یاد آیا کہ سات لُھومو نے اسے بتایا تھا کہ ایک اور آہایول تھا جہاں گنگس سینگے راجہ ہے، اور وہ برف کے محل میں رہتا ہے۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ردونگ رگوما چوچو ہے۔ اس طرح، آپی ژھو اس جگہ کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد وہ ایک گاؤں کے سرے پر پہنچا جہاں کچھ لوگ گھٹلی کی ہڈیوں کا کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے،

"تین دن، تین دن"۔ کچھ کہہ رہے تھے،

"ایک مہینہ، ایک مہینہ" اور کچھ کہہ رہے تھے،

"تین مہینے، تین مہینے"۔ اس نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں لیکن کسی نے اس سے بات نہیں کی۔

آپی ژھو نے سوچا کہ ان لوگوں نے اجنبیوں سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کچھ دیر اور پیدل چل کر وہ ایک بڑھیا کے گھر پہنچا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا

کر رہی ہے۔لیکن بڑھیا نے بھی اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔اسے لگا کہ اس نے بھی اس سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔اس نے جیب سے روٹی اور مٹھائی نکالی اور کھانے لگا۔بوڑھی عورت نے مٹھائی کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے اسے نہیں دیا۔ اس کے بعد اس نے اسے لوہے کے صندوق میں ڈالا اور اسے جلانے کے لیے آگ لگا دی۔جب ڈبہ گرم ہوا تو بوڑھی عورت رونے لگی،

"اے لڑکے!میں آگ کی آواز سن رہی ہوں۔کیا تم مجھے جلانا چاہتے ہو؟"

آپی ژھو نے کہا،"ہاں،بوڑھی عورت۔میں تمہیں اب جلادوں گا۔"

بوڑھی عورت نے جواب دیا،

"اے لڑکے،میں تیرے لیے فدیہ بنوں گی۔براہِ کرم مجھے نہ جلائیں۔میں آپ سے بات کروں گی اور جو کچھ آپ مجھ سے کرنے کو کہیں گے وہ کروں گی۔آپی ژھو نے کہا،

" بوڑھی خاتون،میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو پولو کھیل رہے تھے اور کچھ ہڈیوں کا کھیل کھیل رہے تھے۔وہ آپس میں باتیں کررہے تھے،

"تین دن،تین دن،ایک مہینہ،ایک مہینہ۔"

انہوں نے میرے سوالوں کا جواب نہیں دیا۔بتاؤ ان سب کا مطلب کیا ہے؟"

بوڑھی عورت نے کہا

اے لڑکے ہمارا گاؤں دُوت کا گاؤں ہے۔ان کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ تم تین دن میں یا ایک مہینے میں مارے جاؤ گے اور تمہارا گوشت کھایا جائے گا۔

آپی ژھو نے کہا،

"بوڑھی عورت،مجھے بتاؤ گنگس سینگے کہاں رہتے ہیں؟

بوڑھی عورت نے جواب دیا،

"جب آپ یہاں سے کچھ دور جائیں گے تو آپ کو برف کا ایک پہاڑ نظر آئے گا۔ اس کے نیچے آپ کو ایک سبز چراگاہ نظر آئے گی۔ تمہیں اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ چراگاہ کی زمین سے تھوڑا اوپر، ' گربانگ چُونگ' نام کا ایک لوہار رہتا ہے۔ تمہیں اسے کہنا ہے کہ لوہے کی چھینی اور لگام بناؤ۔ پھر آپ کو لکڑی جلانے کے بعد دیودار کے درختوں کی راکھ اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت ہے۔ اپنے ساتھ اٹھارہ من وزنی عصا لے جائیں۔ ورنہ گنگس سینگے آپ کو کھا جائیں گے۔ آپ برف کو چھینی سے کھودیں اور پھر اس پر مٹی ڈالیں تاکہ برفیلے پہاڑ پر چڑھتے وقت آپ کے پاؤں پھسل نہ جائیں۔ جب آپ گلیشیئر کے وسط تک پہنچ جائیں تو اپنے عصا سے برف کو ماریں۔ اس شور سے گنگس سینگے نکل آئیں گے۔ تم لوہے کی لگام فوراً اس کے منہ میں ڈال دو۔ ورنہ وہ عفریت بن کر تمہیں کھا جائے گا۔"

آپی ژھو نے بوڑھی خاتون کا شکریہ ادا کیا اور مٹھی بھر اشرفیاں اس کو دی اور آگے بڑھا۔

کچھ دیر بعد وہ گربانگ چُونگ کے دروازے پر پہنچا۔ آپی ژھو نے گربانگ چُونگ سے کہا کہ وہ اس کے لیے لوہے کی چھینی اور لگام بنائے۔ لیکن لوہار نے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد آپی ژھو نے اسے گردن سے پکڑ کر جلتی ہوئی بھٹی میں گھسیٹا۔ اس پر گربانگ چُونگ نے اس سے بات کی اور اسے اس میں نہ ڈالنے کی درخواست کی۔ وہ اس کے ذریعے جو بھی کرنا چاہتا تھا وہ کرنے پر راضی ہوا۔

اس کے بعد، آپی ژھو نے اس سے لوہے کی ایک چھینی اور ایک لگام بنانے اور ایک ہتھوڑا دینے کو کہا۔ اس طرح گربانگ چُونگ نے یہ چیزیں فوراً بنا کر آپی ژھو کے حوالے کر دیں۔

اس کے بعد وہ گلیشیئر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ برف کے پہاڑ کے نیچے سبز چراگاہ پر پہنچا تو اس نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ دیا۔ پھر اس نے جلی ہوئی دیودار کی لکڑی کی کچھ راکھ اکٹھی کی اور اپنے پیروں میں ایک پرانا جوتا پہن لیا۔ اس کے بعد وہ گلیشیئر پر چڑھنے لگا۔ جب وہ اس کے بیچ میں پہنچا تو اس نے اپنے عصا سے برف کو مارا۔ اس آواز سے برف پھٹ گئی اور اس میں سے ایک سنہرا محل نمودار ہوا۔ اس کے بعد، گنگس سینگے غصے سے گرجتے ہوئے اس میں سے نمودار ہوئے۔ آپی ژھو نے فوراً لگام اسکے منہ میں ڈالی اور اس کی پیٹھ پر چھلانگ لگا دی۔ گنگس سینگے آسمان میں اڑنے لگا لیکن آپی ژھو نے اپنے عصا سے اس کے سر پر مارا۔ اس طرح گنگس سینگے نیچے آیا اور سبز چراگاہوں پر اترا۔ وہ یوں بولا،

''اے انسان، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے بہادر ہو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

لگتا ہے آپ کا تعلق شاہی قبیلے سے ہے
لگتا ہے تم ایک راکشس کی اولاد ہو
اس لیے اپنے جسم کو تین بار جھکا کر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں
اے بادشاہ! آپ کا جو حکم ہوگا میں اس کی پابندی کروں گا
اے بہادر! جو تم چاہو گے، میں اسے پورا کروں گا''۔

آپی ژھو نے جواب دیا،

''اے سنگے رگیالپو، اب میری بات سنو۔
میں ایک مسافر ہوں اور آہایول آیا ہوں،
یہاں میرا مقصد اپنے بیٹے کے لیے دلہن کی تلاش ہے۔

ہم ایک شہزادی کی تلاش میں ہیں۔

میں شیر علی کچے سے ہوں اور میں اس علاقے کا سردار ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک عظیم شہزادی ہے۔

مجھے بتایا گیا کہ آپ کی ایک بہترین بیٹی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام ردونگ رگوماچو ہے۔

میرا ایک بہترین بیٹا ہے۔

میں اس کے لیے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔

میں آپ کی بیٹی کو شیر علی کچے کی ملکہ بنانا چاہتا ہوں۔

اگر آپ ہمیں شہزادی دے دیں تو میں آپ کو جانے دوں گا۔

اگر آپ ہمیں شہزادی نہیں دیں گے تو

میں آپ کا گوشت کھا کر سیر ہوں گا۔

اگر آپ نے اپنی بیٹی ہمیں دینے سے انکار کیا تو میں آپ کے خون سے اپنی پیاس بجھاؤں گا''

اس پر سنگے رگیالپو نے شہزادی کو دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ آپی ژھو نے کہا،

"اے سنگے رگیالپو، میں تمہیں اس برف سے باندھ کر رکھوں گا، جب تک میں شہزادی کو باہر لانے کے لیے تمہارے محل کے اندر نہیں جاؤں گا۔ یہ اس لیے ہے کہ مجھے شک ہے کہ اگر میں تمہیں اس سے پہلے رہا کرتا ہوں تو تم مجھے کھا سکتے ہو۔!

اس طرح اس نے سینگے رگیالپو کو برف سے باندھا اور محل کے اندر چلا گیا۔ اس نے ماں اور بیٹی کو وہاں پایا۔

آپی ژھو نے شہزادی کو مخاطب کیا،

''اے ردونگ رگوماچوچو، میں تمہیں اپنے بیٹے نمالدے بُلدے کی دلہن کے طور پر لینے آیا ہوں۔ میں نے تمہارے باپ کو پکڑ لیا ہے اور وہ برف سے بندھا ہوا ہے۔ وہ تمہیں چھوڑنے، میرے بیٹے سے تمہاری شادی کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ اس لئے تم تیار ہو جاؤ شہزادی۔

اس پر ماں نے اپنی بیٹی سے کہا،

''جب تم دوسرے گھر جا رہی ہو میں تمہیں تین باتیں سکھاؤں گی۔ میں آپ کو تین مشورے دوں گی حالانکہ میری بیٹی ہونے کے ناطے آپ کو کسی ہدایات کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اے بیٹی! آپ کو اجنبی سرزمین پر جانا ہوگا

اے میری شہزادی! آپ کو شیر علی کچا جانا ہے۔

جب آپ اپنے نئے گھر پہنچیں گی تو آپ کے سسر آپ کو اپنے حصے کے طور پر گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا دیں گے۔

لیکن تمہیں اس کا آدھا حصہ خود باپ کو واپس دینا چاہیے۔

آپ کو باقی آدھے کا آدھا نوکر اور چرواہوں کو دینا چاہیے۔

لہذا، اس کا ایک تہائی ہی آپ کو کھانا چاہیے۔

آپ کے نئے گھر میں آپ کی ساس آپ کو کھانے کی ایک بڑی پلیٹ دے سکتی ہے۔

لیکن تمہیں اس کا آدھا حصہ خود ماں کو واپس دینا چاہیے۔

باقی آدھے کا آدھا آپ کو نوکروں اور کھیتوں میں پانی دینے والوں کو دینا چاہیے۔

آپ کے حصے کا ایک تہائی وہ ہے جو آپ کو کھانا چاہیے۔

اے بیٹی! تم گھر کا سارا بوجھ چکی کے نچلے پات کے پتھر کی طرح اٹھانا چاہیے۔

اور آپ کو پانی کی چکی کی 'بشنگ' کی طرح اپنے کاموں میں تیز اور طرار ہونا چاہئے۔

اجنبیوں سے بات کرتے ہوئے، آپ کو اپنے دل کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہیے"۔

یہ کہہ کر ماں نے بیٹی کو الوداع کہا اور آپی ژھو محل سے باہر آ گئے۔ وہ برف کے پہاڑ کے نیچے کے قریب پہنچ گیا، جہاں سینگے رگیالپو بندھا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے سینگے کو چھوڑ دیا تو وہ اسے اب بھی کھا سکتا ہے۔ اس لیے اسے چھوڑے بغیر، شہزادی کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد وہ لال ڈونگ کھر کے نیچے پہنچے۔ اس کے بعد آپی ژھو نے حسن منڈیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے راجہ حسن منڈیل، تم سے کہہ رہا ہوں کہ محل کی کھڑکی پر نکل آؤ اور مجھے جواب دو۔ میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں۔ آپ براہ کرم پالیکی مندوک چوچو لے کر آئیں۔ لیکن حسن منڈیل نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد آپی ژھو نے حسین منڈیل کے دوسرے محل کے نیچے گئے اور یوں پکارا

کہ اے حسین منڈیل لوگ کہتے ہیں گل خندن چوچو تیری بیٹی ہے۔

اے حسین منڈیل میں اپنے بیٹے کے لیے تیری بیٹی کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔

آپ دلہن کی جتنی بھی قیمت مانگیں، میں اسے دینے کو تیار ہوں۔

اگر آپ دلہن کی پارٹی مانگیں گے تو میں اٹھارہ باراتی لے کر آئے ہیں۔

آپ 'چھونگ پلے' کے تھیلے میں جو کچھ دستیاب ہے مانگ سکتے ہیں،

میں دلہن کی قیمت کے طور پر ہر قسم کے نور بو (جواہرات) ادا کروں گا"۔

اس پر گل خندن چوچو محل سے باہر نکل آئی۔

دوسری طرف پالیکی مندوک چوچو اندر ہی رہی۔ حسن منڈیل نے بھی ان کی کال کا

جواب نہیں دیا۔ اس لیے آپی ژھو نے ٹنڈر گھاس کا ایک بہت بڑا ڈھیر اکٹھا کیا اور اسے لالڈ ونگ کھر کے گرد ڈھیر لگا دیا۔ پھر اس نے حسن منڈیل کو پکارا،

''اے حسن منڈیل میری بات سنو! میں نے محل کے چاروں طرف ٹنڈر گھاس کا ڈھیر لگا دیا ہے اور میں اپنے چقمق پتھر سے اس میں آگ لگانے جا رہا ہوں۔

تیرا محل لاکھ سے بنا ہے۔ تو یہ گرمی سے پگھل جائے گا''۔

جب آپی ژھو نے اپنے چقمق کو پتھر سے ٹکرانے لگا تو ٹنڈر گھاس نے آگ پکڑ لی، پالیکی مندوک چوچو ننگے پاؤں باہر نکل آئی۔ اس کے بعد آپی ژھو نے رڈونگ گوما چو اور گل خندن چوچو کو اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور شیر علی کچے کی طرف بڑھا۔ پالیکی مندوک چوچو پیدل ان کا پیچھا کرتی رہی۔

اس کے بعد وہ لوگ پہلے 'لونگ کٹو سوٹڈ و اور پھر سیر پوتھانگی تھانگ رکیل' نامی میدان میں پہنچے۔ آخر کار، انہوں نے 'سنونپو براکبو' اور ''رزا سامار پوئی یول'' کو عبور کیا۔ پالیکی مندوک چوچو پھر بھی ننگے پاؤں ان کا پیچھا کرتی تھی۔ اس نے آپی ژھو کو مخاطب کیا،

''میرے پاؤں مگانگ گنگ' کی ریت میں جل رہے ہیں، بابا چو
اگر آپ موزہ پہننا چاہیں تو مجھے ایک سادہ جوتا دے دیں بابا۔
میں آپ سے معافی مانگتا ہوں بابا''۔

اس پر آپی ژھو نے پالیکی مندوک چوچو کو ایک پرانا جوتا دیا۔

اس نے پھر کہا،

''میں مگانگ گنگ' کی ریت میں تھکا ہوا محسوس کر رہی ہو
اگر تم شاہ بلوط رنگ کے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو تو مجھے ایک ٹٹو دے، اے بابا!
مجھے رزہ سامر پوے یل' اس گاؤں میں بھوک لگ رہی ہے

اگر تم مکھن کی روٹی کھانا چاہتے ہو تو مجھے سوکھی روٹی دو، اے بابا۔

مگ گنگ کی ریت میں پیاس لگ رہی ہے بابا۔

اگر تم چشمے کا پانی پینا چاہتے ہو تو مجھے کیچڑ والا پانی دو''۔

اس پر آپی ژھو نے اسے ایک ٹٹو دیا جو سیدھی نہیں چلتی تھی اور اسے بہت ڈراتی تھی۔ اس نے اسے سوکھی روٹی اور کیچڑ والا پانی بھی دیا۔ جب وہ لوگ 'رزاسا مار پو گاؤں پہنچے۔ تو ایک بار پھر، پالیکی مندوک چو چو نے ذلت محسوس کی۔ اس نے آپی ژھو سے درخواست کی،

''رزا مار پو' گاؤں میں، بہت سے دوست اور دشمن ہیں، بابا

پر کوتا گاؤں میں دوست اور دشمن بہت ہیں، اے بابا

میرے لیے شادی کی تقریب منعقد کرنا ضروری ہے بابا۔

ایک بانسری اور سازندے اور ڈھول ڈمن، چاہیے بابا۔

اگر شادی کی تقریب نہ ہو تو لوگ مجھے گھراٹ والے کی بیٹی سمجھیں گے''۔

اس طرح آپی ژھو نے پر کوتا' گاؤں میں کچھ دن رکنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ وہ شادی کی تقریب اور موسیقاروں کا اہتمام کریں۔ پر کوتا کے لوگوں نے جواب دیا،

''اے راجہ! ہم نہ تو سرنی بجانا اور نہ ہی ڈھول بجانا جانتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کیا' مون پناگ (پیشہ ور موسیقار کا نام) کے دونوں بیٹے یہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد، آپی ژھو مون پناگ کے گھر گیا اور کھڑکی سے جھانکا۔ دونوں بیٹے چولہے کے پاس ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے۔

اس نے کھڑکی سے ان سے مخاطب ہو کر کہا،

"اے مون پناگ کے بیٹے، کیا تم اپنے باپ کی مہارت رکھتے ہو، تارارا تانگ تانگ تانگ۔

اے مون پناگ کے بیٹو، کیا تمھیں اپنی ماں کا ہنر یاد ہے،
ٹولولوٹو نگ ٹو نگ ٹو نگ۔

اگر آپ کے پاس آپ کے والد کی مہارت ہے، تو آپ کو مزید زمین الاٹ کی جائے گی، تارارا تانگ تانگ تانگ۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ کی جائیداد ضبط کرلی جائے گی، ٹولولوٹو نگ ٹو نگ ٹو نگ۔

اس کے بعد مون پناگ کے دونوں بیٹے موسیقی کے آلات لے کر باہر آئے۔ گاؤں کے تمام لوگ وہاں جمع ہوئے اور شادی کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس طرح وہ سات دن اور سات راتیں گاتے اور ناچتے رہے۔ لیکن آپی ژھو نے انہیں کچھ نہیں دیا۔ اس طرح، مون پناگ کے بیٹوں نے اپنا سرنی اس طرح بجایا

"ہم مون پناگ کے بیٹے ہیں،
ہم نے سات دن اور سات راتیں موسیقی بجائی۔
پھر بھی سٹور روم کی کھڑکیوں سے ایک بوڑھی لومڑی بھونکتی ہے۔
تارارا تانگ تانگ تانگ!
ہم مونوں کے پیالوں میں مکھن کے صرف قطرے گرتے ہیں،
ٹولولوٹو نگ ٹو نگ ٹو نگ۔!
دیکھو شادی کی ضیافت کتنی خوشگوار ہوتی ہے۔ تارارا تنگ تنگ تنگ۔

اس طرح آپی ژھو نے پالیکی مندوک چوچو کو اعزاز بخشا۔ اسے ایک گھوڑا بھی دیا گیا اور پھر سب شیر علی کچے کی طرف بڑھے۔

کچھ دن بعد وہ ایک اونچے پہاڑ کے نیچے ایک ہری بھری چراگاہ پر پہنچے جسے 'لنگ سانگ لہا بروک' کہتے تھے۔ لہا بو کیسر کا مشہور 'لنگ کھر رچے رگو' اس پہاڑ کے پیچھے واقع تھا۔ اوسے بزبا بھی ان کے استقبال کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ آپی ژھو نے گرمجوشی سے اوسے بزبا سے ملاقات کی اور کہا،

"اوسے بزبا! میرے آہا یول کے سفر میں تین سال اور تین مہینے لگے۔ اس دوران میں اچھی طرح سو نہیں سکتا تھا۔ میں یہاں کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ چوچوس کا خیال رکھیں گے، انہیں کھانا پینا دیں گے"۔

یہ کہہ کر وہ عفریت کی طرح سو گیا۔

اسی دوران لنگ کے قلعے میں کیسر رگیا لپو کو معلوم ہوا کہ آپی ژھو نے آہا یول سے تین شہزادیاں لے کر آئے ہیں اور وہ لنگ سانگ لہا بروک میں آرام کر رہی ہیں۔ کیسر رتھ پر سوار ہو کر اس مقام پر پہنچا۔ اس نے اوسے بزبا کو مخاطب کیا،

"اے اوسے بزبا! آپ کا راجہ آہا یول سے تین شہزادیاں لے کر آیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ سب سے خوبصورت لڑکیاں ہیں۔ اس لئے میں انہیں لنگ کھر لے جا رہا ہوں"۔

اوسے بزبا نے مزاحمت کی لیکن کیسر کو چوچوس کو لنگ یول تک لے جانے سے نہ روک سکا۔ آپی ژھو اب بھی دیو کی طرح سو رہا تھا۔ اس طرح، کیسر نے چوچوس کو اٹھایا اور انہیں اپنے حیرت انگیز رتھ میں ڈال دیا، اور لنگ یول کے لیے تیز رفتاری سے دوڑا۔

اوسے بزبا نے آپی ژھو کو بیدار کرنے کے لیے زور زور سے ہلایا۔ جب کیسر پہاڑ کے بیچ میں پہنچنے ہی والا تھا کہ آپی ژھو اپنی نیند سے بیدار ہوا۔

اسی دوران کیسر سرل درہ عبور کرنے ہی والا تھا۔

اوسے بزبا نے پھر اپی ژھو کو ہلا کر کہا،

اے راجہ! براہ کرم اٹھو اور دیکھو! آپ کا دشمن کیسر آیا اور شہزادیوں کو لے گیا۔

آپی ژھو نے اپنا سر اٹھایا اور کہا،

او سے بزبا! تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو، بتاؤ کیا ہوا ہے؟

او سے بزبا نے اپنی انگلی سے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھایا کہ کیسر چو چوس لیکر سرل درہ عبور کرنے ہی والا ہے۔

آپی ژھو نے بلند آواز میں کہا،

"اے گیاپو کیسر! اس شخص کی باتیں سنو!

اے لہابو کیسر! میں جو کہتا ہوں سنو!

میں نے ان شہزادیوں کا پیچھا کرتے ہوئے کافی وقت گزارا تھا۔

مجھے ان لڑکیوں کے لیے بہت جدو جہد کرنی پڑی

میں بہت سے راکشسوں اور آدم خوروں سے لڑا اور راتوں کو سو نہیں سکا۔

میں نے بہت سے ہر نفو اور ہر نموس سے ملاقات کی اور میں اپنا دن کا کھانا تک نہیں کھا سکا۔

مجھے آہا یول میں تین سال اور تین مہینے گزارنے پڑے۔

لہذا، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ شہزادیوں کو واپس لے آئیں۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، گیاپو کیسر، براہ کرم چو چوس کو واپس آنے دیں"۔

اس پر گیاپو کیسر نے جواب دیا۔

"سنو! میری قسمت روز بروز بڑھ رہی ہے

میرے بارہ خزانے دن بہ دن بھر رہے ہیں، سنو

تیرے محل میں صرف ایک ربسل (بالگونی) ہے

جبکہ میرے پاس اٹھارہ ہیں

ایک ربسل میں سو شیشے والی کھڑکیاں ہیں۔

یہ تینوں لڑکیاں تمہارے محل کے لیے موزوں نہیں ہیں۔

لیکن وہ میرے 'لنگ کھر رچے رگو کے لیے بہت موزوں ہیں"۔

اس پر آپی ژھو نے اپنا بازو بڑھایا اور چوچوس کے ساتھ رتھ کو اٹھا کر چراگاہ میں واپس لے آیا۔ پھر اس نے کیسر کو پکڑ کر اپنی جیب میں ڈال کر تالا لگا دیا، دوبارہ نیند کی۔

کیسر نے اوسے بزبا سے تالا کھولنے کی درخواست کی لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے تینوں شہزادیوں سے اسے کھلوانے کی التجا کی۔ دونوں چوچوس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن پالکی مندوک چوچو نے اسے کھول دیا اور کیسر بھاگ گیا۔

جلد ہی آپی ژھو بیدار ہوا اور دیکھا کہ کیسر بھاگ رہا ہے۔ دوبارہ بازو پھیلا کر اسے واپس لے آیا۔ اس کے بعد کیسر نے آپی ژھو سے درخواست کی کہ اسے جانے دیا جائے۔ لیکن اس نے کہا،

"اے کیسر! میں تمہیں شیر علی کچے لے جا رہا ہوں جہاں میں شادی کی دعوت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں ہیڈ باورچی بنا دوں گا۔ آپ کو چوچوڈیگو (کیسر کی شریک حیات) کو بھی پانی لانے کے لیے لانا پڑے گا۔"

کیسر نے جواب دیا،

"کہ اے راجہ! شادی بیاہ میں شرکت کے لیے ضرور آؤں گا۔ میں چوچوڈیگو کو بھی لاؤں گا۔ لیکن اگر میں خالی ہاتھ آیا تو بوڑھی عورت مجھے بہت غریب سمجھے گی۔ اس لئے آپ مجھے ابھی جانے دیں۔ مقررہ تاریخ پر، میں چوچوڈیگو کے ساتھ دولہا اور دلہن کے لیے کچھ تحفہ لے کر ضرور آؤں گا"۔

اس وعدے پر کیسر کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر کیسر چوچوڈیگو کے ساتھ شیر علی کچے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد، آپی ژھو اور کیسر دونوں دوستوں کی طرح رہنے لگے تھے۔

خطہ لداخ کی کچھ اور لوک کہانیاں۔

(۱)

بھیڑیا اور لومڑی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کھایول کے پہاڑوں میں ایک لومڑی اور ایک بھیڑیا رہتا تھا۔ ظاہری طور پر وہ ایک دوسرے کے اچھے دوست تھے. لیکن لومڑی، بھیڑیے کو
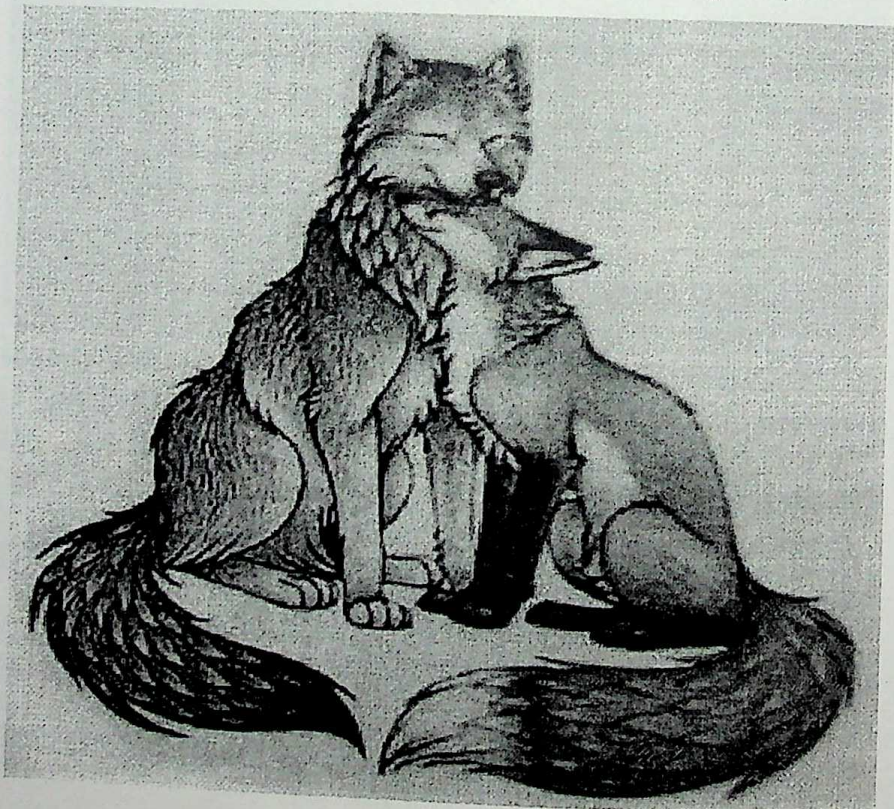
اس کی درندگی کی وجہ سے پسند نہیں کرتی تھی اور بھیڑیا، لومڑی کو اس کی چالاکی کی وجہ سے ناپسند کرتا تھا۔ اس لئے وہ جہاں تک ممکن تھا ایک دوسرے سے آمنے سامنے ملنے سے گریز کرتے تھے۔

جب گرمی کا موسم ختم ہوا اور خزاں کا موسم شروع ہوا تو ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں جس سے سبز چراگاہیں پیلے رنگ کے کچرے میں تبدیل ہوگئیں۔ نشیبی علاقوں کے لوگ اپنے مال اور مویشیوں کو اپنے گاؤں واپس لے گئے، تاکہ انہیں سردیوں کے مہینوں میں اصطبل میں کھلایا جائے۔ موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ہی لومڑی اور بھیڑیے دونوں کے لئے زندگی بہت مشکل ہوگئی۔ ان ویران پہاڑوں میں ان کے پاس کھانے کو شاذ و نادر ہی کچھ ملتا تھا، تاکہ ان کی انتڑیوں کو سکون ملے۔

ایک دن پہاڑوں پر بہت زیادہ برف باری ہو رہی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل جمع ہوگئے اور تین دن اور تین راتوں تک برف باری ہونے لگی۔ زمین پر جمع چھوٹے چھ کونوں والی برف کے ٹکڑوں سے سارا پہاڑ ڈھک گیا تھا۔ چوتھے روز جب موسم بہتر ہوا تو زمین پر تین فٹ برف جمع ہوگئی تھی۔

لومڑی ایک غار میں سو رہی تھی۔ اسے بہت بھوک لگی تھی۔ غار کے منہ سے اس نے علاقے کا معائنہ کیا۔ تمام پہاڑی ڈھلوانیں اور وادیاں موٹی برف کے نیچے دب گئی تھیں۔ علاقے میں ایک بھی سیاہ دھبہ نظر نہیں آرہا تھا۔ ہر طرف چمکیلی سفید برف چمک رہی تھی۔

''مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ میں نے پچھلے چار دنوں سے ایک لقمہ نہیں کھایا ہے۔ اس موٹی برف میں کھانے کے قابل کچھ حاصل کرنا ناممکن ہے۔

لومڑی کی سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے اور اسے اس پر فخر بھی تھا۔ اس نے سوچا،

"مجھے دریا کے کنارے جانا چاہیے جہاں میں کانٹوں کے گھنے جنگل میں کھانے کے لیے کچھ تلاش کروں گی۔ مجھے جھاڑیوں میں سرخ ٹانگوں والا تیتر یا تیز دوڑنے والا خرگوش مل سکتا ہے۔

چنانچہ وہ نرم برف پر محتاط انداز میں چلتے ہوئے دریا کے کنارے چلی گئی۔ جب وہ دریا کے کنارے پہنچی تو اسے ایک پاؤں کا نشان نظر آیا جو کانٹوں کی موٹی شاخ میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی سونگھنے کی تیز حس کی رہنمائی میں، وہ جھاڑی کی گہرائی میں گھس گئی۔ لو! وہاں اس نے ایک بوڑھا خرگوش گہری نیند میں پایا، جو ایک گھاس کے بستر پر پڑا تھا۔ لومڑی چپکے سے خرگوش کے قریب گئی، خوشی کے مارے اس کے منہ سے رال ٹپک رہی

تھی۔ اس نے اپنی ساری طاقت یکجا کی، اور اپنے تیز دانت خرگوش کے گلے پر رکھ دیئے۔ اس کے منہ میں خرگوش کا گرم گرم خون اس کے بھوکے پیٹ کو سکون پہنچا رہا تھا۔ خرگوش نے شدت سے لومڑی کے مضبوط جبڑوں سے اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ لومڑی بہت خوش ہوئی۔

"میں شکار کو اپنے غار میں لے جاؤں گی جہاں میں آرام سے خرگوش کا نرم ولذیذ گوشت کھاؤں گی"، لومڑی نے سوچا۔ پھر شکار کو کندھے پر اٹھائے وہ آہستہ آہستہ اپنے غار کی طرف چل پڑی۔

اس دوران بھیڑیا بھی بہت بھوکا تھا۔ وہ بھی اپنے غار سے کھانے کی تلاش میں نکلا تھا۔ ایک پہاڑی کے کنارے سے اس نے لومڑی کو خرگوش کی لاش اٹھاتے دیکھا۔ اس نے سوچا،

"یہ لومڑیاں بہت چالاک ہیں۔ وہ اتنے خوفناک موسم میں بھی کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ میں جا کر اس سے شکار چھیننے کی کوشش کروں گا۔ ورنہ میں
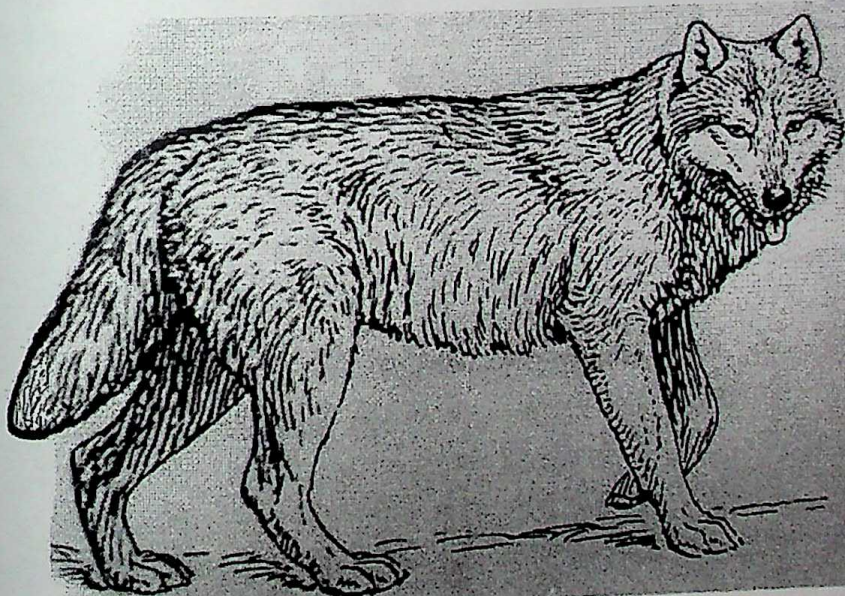
بھوک سے مر جاؤں گا''۔

چنانچہ وہ سیدھا لومڑی کے پاس چلا گیا۔ ''صبح بخیر دوست! تم خوش قسمت ہو کہ اس برف میں ایک شکار ملا''۔ ''صبح بخیر''، لومڑی نے جواب دیا۔ لیکن وہ بھیڑیے سے اس غیر متوقع تصادم پر گھبرا گئی۔ بھیڑیے نے پہلے خرگوش کو سونگھا اور پھر اس کے خون کے چند قطرے چاٹے۔ اس نے کہا،

''آہ! یہ بہت مزیدار لگ رہا ہے. میں پچھلے تین دن سے بھوکا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اگر میں اسے اپنے غار میں آرام سے کھانے کے لیے لے جاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ لومڑی نے التجا بھری نظروں سے جواب دیا،

''بھائی! میں نے اس میں سے ایک لقمہ نہیں کھایا ہے۔ آئیے ہم اسے نصف نصف تقسیم کریں''۔ لیکن بھیڑیا ایسا کرنے پر راضی نہیں ہوا۔

اس نے کہا،

''میرے پیارے دوست، تمہاری ناک بہت تیز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو جھاڑی میں اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ ہم بھیڑیوں کو سونگھنے کی کوئی تیز حس نہیں ہے۔ اتنی موٹی برف میں مجھے کچھ نہیں ملے گا اور میں بھوک سے مر سکتا ہوں۔ برف پگھلنے پر قرض چکا دوں گا''۔

یہ کہہ کر اس نے شکار کو اپنے مضبوط جبڑوں میں اٹھایا اور اپنے غار کی طرف روانہ ہو گیا۔ لومڑی کچھ دیر موقع پر ہی کھڑی رہی۔ بھاری دل کے ساتھ وہ اپنے غار میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے بھیڑیے سے بدلہ لینے اور اسے سبق سکھانے کا عہد کیا۔

سردیوں کے مہینے گزرتے گئے اور پہاڑوں پر برف پگھلنے لگی۔ زمین سے تازہ
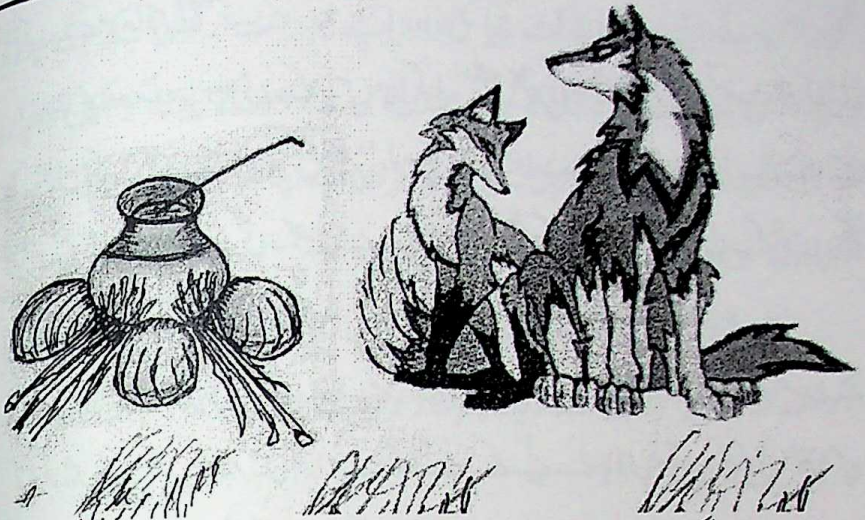
گھاس پھوٹنے لگی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے برفانی مرغے پکارنے لگے۔ ایک دن لومڑی ایک ایسی جگہ گئی جہاں سے اسے بھیڑیے کا علاقہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کچھ ایندھن اکٹھا کیا اور آگ روشن کی۔ پھر ایک برتن میں کھچڑی پکانے لگا۔ بھیڑیے نے لومڑی کو دیکھا اور وہاں آ گیا۔

''صبح بخیر دوست آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' ''دور رہو! مہربانی فرما کر دور رہو ایسا نہ ہو کہ تم اس میں مٹی ڈال کر دوا کو خراب کر دو۔ میں ملکہ کی آنکھوں کے لیے دوا بنا رہی ہوں''

لومڑی نے جواب دیا۔ بھیڑیا اس پر متجسس ہوا اور کہنے لگا ''میرے پیارے دوست بتاؤ یہ دوا کس مرض میں مفید ہے؟'' لیکن لومڑی نے کہا ''براہ کرم دور رہو اور اس کے قریب مت آنا۔ یہ میں ملکہ کی خصوصی فرمائش پر تیار کر رہی ہوں۔ میں اس کا ایک قطرہ بھی کسی کے لیے نہیں چھوڑ سکتی''۔

بھیڑیا اس ترکیب کے بارے میں مزید متجسس ہو گیا۔ اس نے لومڑی سے دوبارہ پوچھا،

''میرے پیارے دوست، میں جانتا ہوں کہ تم بہت عقلمنداور ماہر ہو۔ براہِ کرم مجھے اس دوا کے خاص فائدے کے بارے میں بتاؤ''۔

لومڑی نے جواب دیا،

''نہیں، مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو اس بارے میں نہیں بتا سکتی، میرے دوست۔ اگر ملکہ کے لئے نہ ہوتی تو میں تمھیں اس میں سے تھوڑا سا دے دیتی''۔لیکن بھیڑیے نے اصرار کیا۔ تو لومڑی نے دھیمی آواز میں کہا۔''چونکہ آپ میرے بہترین دوست ہیں، میں آپ کو صرف اس دوا کی خفیہ خوبی بتاؤں گی۔لیکن آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ یہ بات کسی اور کو نہیں بتائیں گے۔بھیڑیے نے وعدہ کیا کہ وہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔تب لومڑی نے کہا،''اب میری بات سنو میرے دوست۔ جو بھی اس مرہم کو اپنی آنکھوں پر لگائے گا وہ سات جنتیں دیکھے گا جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ ملکہ نے خاص طور پر مجھ سے درخواست کی کہ یہ مرہم اس کے لئے تیار کروں کہ ان پہاڑوں میں اگنے والی مختلف دواؤں کی جڑی بوٹیاں میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اس نے مجھ سے کہا کہ انہیں ابالنے کے لئے جمع کروں، یہ مرہم تیار کرنے کے لیے۔اب جب کہ میں نے آپ کو اس مرہم کی خفیہ خوبی بتادی ہے تو براہِ کرم مجھ سے آپ کو تھوڑا سا دینے کے لیے مت کہیں''۔

بھیڑیا سات جنتوں کو دیکھنے کے سحر انگیز خیالوں میں کھو گیا۔ وہ لومڑی سے اپنی آنکھوں میں تھوڑی سی دوا لگانے کو کہنے سے باز نہ آسکا۔لومڑی نے چھڑی سے مرہم کو ہلایا اور اس کا ایک قطرہ اپنی شہادت کی انگلی پر لگا کر اپنا انگوٹھا دبایا۔ یہ بہت چپچپا ہو گیا تھا اور تیار تھا۔ بڑے رازدارانہ انداز میں اس نے بھیڑیے سے کہا،

''میرے دوست اگر تم اب بھی اصرار کرو گے تو میں اس دوا کے چند قطرے تمہاری

آنکھوں میں لگا دوں گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ مرہم کے خشک ہونے تک آنکھیں بند رکھیں۔ ورنہ سات جنتیں نہیں دیکھ پائیں گے۔ بھیڑیا راضی ہو گیا اور لومڑی نے بھیڑیے کی بند آنکھوں پر گوند لگا دیا۔ چند ہی منٹوں میں گوند خشک ہو گیا۔ لومڑی نے مسکرا کر کہا،"

میرے دوست، اب سات جنتوں کے دلکش نظاروں سے لطف اندوز ہو جاؤ۔ مجھے گھر پر تھوڑا سا کام ہے۔ میں اس کو نبھانے کے لئے جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔

بھیڑیے نے کہا "پیارے دوست! میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ میں اپنی آنکھیں بھی نہیں کھول سکتا۔ براہ کرم مجھے بتائیں کہ کیا معاملہ ہے؟"

لیکن لومڑی پہلے ہی جا چکی تھی۔

اب بھیڑیے کو چالاک لومڑی کی میٹھی باتوں پر یقین کرنے میں اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اس نے بے کار اپنے تیز پنجوں سے آنکھیں نوچ لیں۔ اس کی آنکھیں چپکی ہوئی تھیں، وہ چل نہ سکا اور ایک کھائی میں جا گرا۔ کسی طرح وہ خود کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس نے سوچا کہ اسے لومڑی نے دھوکہ دیا ہے۔ جب وہ دریا کے قریب پہنچا تو اسے ایک گدھے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس طرف چلا کر بولا،

"اے گدھے بھائی! برائے مہربانی میری مدد کرو"۔

بھیڑیے کی پکار سن کر گدھا گھبرا گیا۔ لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ بھیڑیا ایک حقیقی مصیبت میں مبتلا ہے۔ وہ اس کے قریب آیا اور پوچھا،

"آقا آپ کو کیا ہوا؟ بھیڑیے نے اپنی پریشانیوں کی کہانی سنائی۔ اس کے بعد گدھا بھیڑیے کے بہت قریب آیا اور پوری طاقت سے اس کی پیشانی پر لات ماری اور

پھر بھاگ گیا۔ بھیڑیا درد سے تڑپ اٹھا۔ آخر کار بھیڑیے نے یہ سوچ کر خود کو دریا میں پھینک دیا کہ دشمنوں کے ہاتھوں ذلت کا سامنا کرنے سے دریا میں ڈوب کر مرنا بہتر ہے۔ جب اس نے پانی کو چھوا تو گوند نم ہو گئی۔ وہ دوبارہ آنکھیں کھول سکتا تھا۔ وہ تیر کر دریا کے کنارے پہنچا اور سکون کی سانس لی۔ اس نے لومڑی سے بدلہ لینے کی قسم کھائی۔
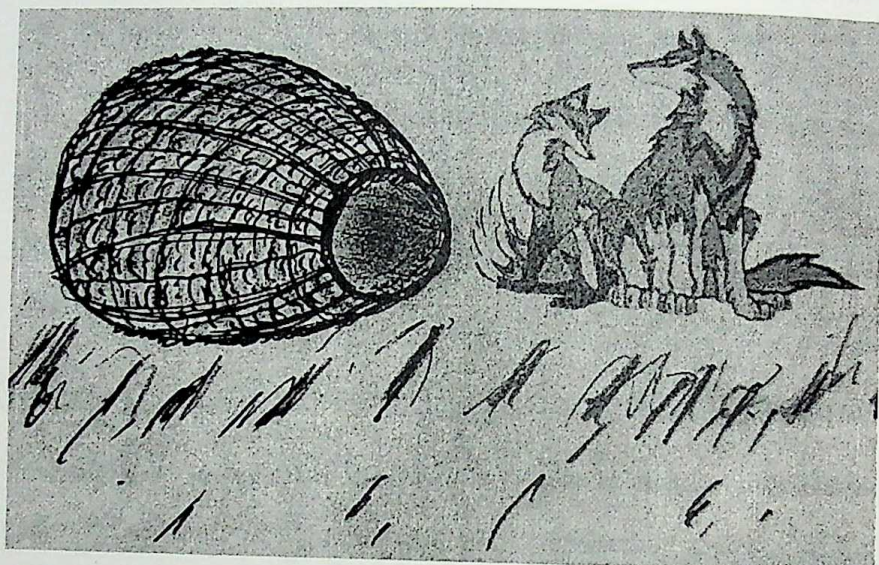
بھیڑیا لومڑی کی تلاش میں تھا۔ ایک دن اسے پہاڑ کی چوٹی پر ملا۔ لومڑی ایک بڑی قسم کی ٹوکری بنانے میں مصروف تھی، کبھی اس کے اندر جاتی اور پھر اس سے باہر نکلتی۔ جب بھیڑیا لومڑی کے قریب پہنچا تو اس نے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے کام میں مصروف رہی۔ بھیڑیا غصے سے ابل پڑا۔ اس نے اونچی آواز میں گرج کر کہا،

"آخر میں، میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا! اس بار میں تمہیں جانے نہیں دوں گا"۔

لیکن لومڑی نے سکون سے جواب دیا،

"میرے پیارے دوست، مجھے معاف کر دو۔ میں نے آپ کے ساتھ جو کیا وہ محض ایک مذاق تھا جسے میں اپنی زندگی میں نہیں دہراؤں گی۔ مجھے معاف کر دیں اور مجھے اپنا

کام کرنے دیں۔ میں ایک جادوئی ٹوکری بنا رہی ہوں۔ جو بھی اس ٹوکری کے اندر جاتا ہے، ہوا کی رفتار سے سفر کر سکتا ہے''۔

اگرچہ بھیڑیے کو جادوئی ٹوکری میں دلچسپی ہوگئی، اس نے کہا،

میں اس بار تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ ویسے تم یہ ٹوکری کیوں بُن رہی ہو؟''

لومڑی نے جواب دیا،

''میرے دوست دیکھو، مجھے کھانے کی تلاش میں بہت سفر کرنا پڑتا ہے۔ میں تھک جاتی ہوں. اب میں اس ٹوکری کو اس لیے بنا رہی ہوں کہ یہ ہوا میں اڑ جائے گی اور مجھے وہاں لے جائے گی جہاں میں جانا چاہوں گی''۔

بھیڑیے نے حسرت بھری نظروں سے جادوئی ٹوکری کی طرف دیکھا۔ اس نے ٹوکری کو بہت کارآمد چیز سمجھا اور کہا، میرے پیارے دوست! میں تمھیں اس خوفناک مذاق کے لیے معاف کر دوں گا۔ لیکن براہ کرم مجھے ٹوکری کے اندر جانے دیں اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے دیں۔ اگر یہ کام کرتا ہے، جیسا کہ آپ کہتی ہیں تو آپ میرے لیے ایک اور ٹوکری بُن سکتی ہیں''۔

ہچکچاتے ہوئے، لومڑی نے بھیڑیے کو ٹوکری کے اندر جانے دیا اور پھر جلدی سے ڈھکن بند کر دیا۔ بھیڑیا اس میں پھنس گیا تھا۔ اس نے کہا اب بتاؤ ٹوکری کیسے اڑتی ہے۔ لومڑی نے ٹوکری کو پہاڑی کی چوٹی سے دھکیل دیا۔ یہ پہاڑی ڈھلوان سے نیچے گرنے لگا۔ جب اس نے زور پکڑا تو ہوا میں اڑنے لگا، پھر زمین پر آ کر چُور ہو کر دوبارہ ہوا میں اڑنے لگا۔ اس کے اندر بھیڑیا گھوم رہا تھا۔ جب لوڑھکتا ہوا نیچے وادی میں پہنچا تو بھیڑیا ٹوٹی ہوئی ٹوکری سے بہت سے ٹوٹے ہوئے اعضاء کے ساتھ باہر نکلا۔ اس کے جسم کے ہر حصے میں درد تھا۔ اس نے چالاک لومڑی کی باتوں پر یقین کرنے پر اپنے آپ

پر لعنت بھیجی اور قسم کھائی کہ اگر اس نے اسے دوبارہ دیکھا تو وہ لومڑی کی زندہ ہی اس کی کھال اتار دے گا۔

جب اس کے زخم ٹھیک ہو گئے تو بھیڑیا دوبارہ لومڑی کی تلاش میں نکلا۔ غصے سے ابلتے ہوئے، اس نے پہاڑ کے ہر کونے کونے میں لومڑی کو تلاش کیا۔ ایک دن بھیڑیا کھانے کی تلاش میں ندی کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا۔ اس نے لومڑی کو باریک ریت سے تھیلا بھرتے دیکھا۔ اس نے گرج کر کہا، "

اے بدمعاش اور دھوکے باز، میں تمھیں اس بار جانے نہیں دوں گا! تم نے مجھے مارنے کی تقریباً کوشش کی تھی۔

لیکن لومڑی نے نرمی سے جواب دیا،

"بھائی، مجھے معاف کر دو۔ میں واقعی شرمندہ ہوں جو میں نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ میں آپ کو اپنی طرف سے کی گئی تمام غلطیوں کی تلافی کروں گی۔ اب میری بات سنو بھائی۔ یہ ریت سونے کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر ہم ریت سے بھرا ایک تھیلا گاؤں لے جا کر گاؤں والوں کو دے دیں تو وہ ان سونے کے ٹکڑوں کے بدلے ہمیں بہت سی بکریاں اور بھیڑیں بیچ دیں گے۔ اگر ہم یہ کام آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں تو پھر چند لقمے کھانے کی تلاش میں پہاڑوں میں کیوں گھومتے پھریں؟ سونے کے ٹکڑوں کی وجہ سے یہ تھیلا بہت بھاری ہے اور میں اکیلا اسے گاؤں نہیں لے جا سکتی۔ بھیڑیے کو یہ خیال بہت پسند آیا۔ "اگر منصوبہ کام کرتا ہے تو زندگی بہت خوشگوار ہو جائے گی۔" اس نے سوچا. لیکن وہ چالاک لومڑی کی باتوں پر یقین کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ اس نے کہا،

"نہیں، نہیں، تم اس بار مجھے دھوکہ نہیں دے سکوں گی"

لیکن لومڑی کی اتنی فصیح اور شیریں زبان تھی کہ اس نے بھیڑیے کو اپنا ساتھی بننے پر

راضی کر لیا۔ اس نے بھیڑیے کی پشت پر ریت سے بھرا تھیلا لاد کر اسے بھیڑیے کے جسم کے ساتھ رسی سے مضبوطی سے باندھ دیا۔ پھر وہ بوجھ پر چڑھ گئی اور وہ دونوں گاؤں کی طرف چل پڑے۔ کبھی کبھار لومڑی اونچی آواز میں پکارتی کہ اے لوگو! کیا کوئی سونے کے ٹکڑوں کے بدلے اپنی بکری اور بھیڑ بیچنے کو تیار ہے؟'' جب لوگوں نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا اپنی پیٹھ پر بوجھ سے بھرا ایک تھیلا اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے اوپر ایک لومڑی بیٹھی ہے، تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے اور ہاتھوں میں ڈنڈے اور لاٹھیاں

لیے دوڑتے ہوئے آئے اور چیخنے لگے۔

"بھیڑیا... بھیڑیا! مار دو اسے۔ اسے نہ بخشو۔ ایک آدمی نے پکارا۔۔۔

"ہاں، ہاں، یہ وہی بھیڑیا ہے جس نے میری پیچ دار سینگ والی بکری کو مار ڈالا تھا"۔ ایک اور شخص چیخا، "اسے جانے نہ دو، اس نے پچھلے سال میرے کالے گردن والے مینڈھے کو مار ڈالا تھا"۔

جب لوگ قریب پہنچے تو لومڑی بھیڑیے کی پشت سے چھلانگ لگا کر پہاڑ کی طرف لپکی۔ لیکن غریب بھیڑیا تیز نہیں بھاگ سکتا تھا کیونکہ وہ بھاری بوجھ سے بندھا ہوا تھا۔ مشتعل گاؤں والوں کے ہاتھوں اس کی خوب پٹائی ہوئی۔ بڑی مشکل سے اس نے کسی طرح اپنے آپ کو بھاری بوجھ سے باہر نکالا اور جان بچا کر پہاڑ کی طرف بھاگا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے بہت سارے اعضاء ٹوٹ گئے تھے۔

(2)

جنگلی یاک اور نیولا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دریا کے کنارے ایک مادہ نیولا رہتی تھی۔ اس نے پانی کے قریب گھنی گھاس کے نیچے اپنا گھونسلہ بنایا۔ پھر اس نے چار بچوں کو جنم دیا۔ اس علاقے میں ایک بہت بڑا جنگلی یاک بھی رہتا تھا۔ وہ اکثر دریا پر پانی پینے آتا تھا۔ اس وجہ سے نیولا اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے بہت فکر مند تھی۔ ایک دن، وہ جنگلی یاک کے پاس آئی اور کہا،

"انکل یاک! میں آپ کو یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ میں نے پانی کے قریب گھاس میں اپنا گھونسلہ بنایا ہے۔ پلیز پانی پینے جاتے وقت خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میرے بچوں کو اپنے بڑے کھروں تلے روند ڈالو۔"

جنگلی یاک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"کوئی مسئلہ نہیں بچے، فکر نہ کرو۔ میں خیال رکھوں گا"۔

یاک اتنا بڑا تھا کہ جب وہ پہاڑوں میں چلتا تھا تو اس کے پیروں تلے پتھر کی موٹی سلیں کچل جاتی تھیں۔ ایک دن یاک پھر پانی پینے آیا۔ وہ نیولے کی فرمائش بھول کر لاپرواہی سے چل پڑا۔ اس نے اس کے بچوں کو گھاس کے اندر روند دیا۔ شام کو، جب نیولا اپنے گھونسلے میں واپس آئی تو اس نے اپنے بچوں کو مردہ پایا۔ وہ ساری رات بلک بلک کر روتی رہی اور جنگلی یاک سے بدلہ لینے کی قسم کھائی۔

ایک بار جب جنگلی یاک دوبارہ پانی پینے آیا تو نیولے نے خود کو گھاس میں چھپا لیا۔ جب یاک پینے لگا تو پانی کے ساتھ نیولا یاک کے پیٹ میں چلی گئی۔ وہ یاک کے دل کی مرکزی شریان کو چبانے لگی۔ درد کے مارے یاک پہاڑ کے دامن کے قریب مر گیا۔

اگلے دن تین لالچی شکاری موقع پر پہنچ گئے۔ انہوں نے جنگلی یاک کی لاش کو زمین پر پڑا پایا۔ اپنی خوش قسمتی پر خوش ہو کر، انہوں نے اس کی کھال اتارنا شروع کر دی۔ ایک شکاری کو دریا سے پانی لانے کے لیے بھیجا گیا۔

باقی دو شکاریوں میں سے ایک نے کہا،

"اگر ہم صرف دو ہوتے تو ہم یاک کا گوشت اپنے درمیان برابر تقسیم کر سکتے تھے۔"

دوسرے نے کہا،

"ہاں ضرور لیکن اب اسے ہم تینوں میں تقسیم کرنا ہے۔ اس کے بعد دوسرے نے

مشورہ دیا۔
ہم تیسرے کو مار کیوں نہیں سکتے؟
دونوں نے اپنے تیسرے ساتھی کو ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ چنانچہ انہوں نے کچھ بھنا ہوا گوشت تیار کیا اور اس میں زہر ڈال کر اس کا ایک حصہ ساتھی کے لیے چھوڑ دیا۔
تیسرا شکاری جو دریا سے پانی لینے گیا تھا اس نے سوچا کہ اگر میں باقی دو ساتھی شکاریوں کو مار ڈالوں تو سارا گوشت میرا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے بھی کچھ زہر پانی میں ڈالا اور اپنے ساتھی شکاریوں کے لئے لے گیا۔
دو شکاریوں میں سے ایک نے کہا بھائی یہ رہا آپ کے لیے بھنا ہوا گوشت، لے لو۔ یہ کہہ کر اس نے گوشت اس کے سامنے رکھ دیا۔ تیسرا شکاری زہریلا گوشت کھا کر موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوش ہو کر، انہوں نے تیسرے شکاری کے لائے ہوئے پانی سے چائے بنائی۔ چائے پی لی اور زہر کی وجہ سے دونوں مر گئے۔
دوسرے دن ایک لومڑی موقع پر پہنچ گئی۔ اس نے بڑے یاک کی لاش اور تینوں شکاریوں کی لاشیں دیکھیں۔ وہ بہت خوش ہوئی اور اپنے آپ سے کہنے لگی،
”مجھے معلوم کرنے دو کہ کیا یہاں کوئی ایسی خطرناک چیز تو نہیں ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہے۔“
وہ وہاں پڑی ہر چیز کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے شکاریوں کی کمان دیکھی۔ اس نے سوچا،
دیکھو! یہ میرے لیے ممکنہ خطرہ ہے۔ دعوت سے لطف اندوز ہونے سے پہلے مجھے اسے تباہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنے تیز دانتوں سے کمان کی تار کو چبانے لگا۔ تار ٹوٹنے پر کمان کا نوکدار سرا لومڑی کے سینے میں جا گھسا اور وہ بھی موقع پر ہی دم توڑ گئی۔
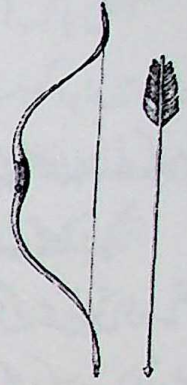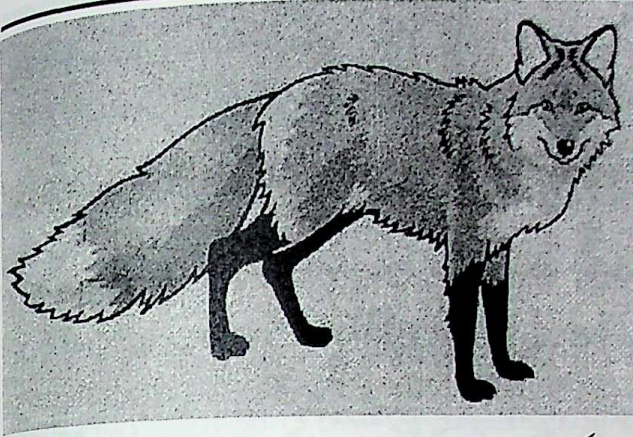
اس لیے عقلمندوں نے کہا ہے کہ

۱۔ کمزور کو طاقتور کے راستے سے دور رہنا چاہیے۔

۲۔ طاقتور کو کمزور کا خیال رکھنا چاہیے۔

۳۔ تین شکاریوں کی طرح کبھی بھی لالچی نہیں ہونا چاہئے۔

۴۔ لومڑی کی طرح زیادہ محتاط بھی نہیں ہونا چاہیے۔

(3)

لومڑی اور بطخ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دریا کے کنارے جونیپر کے درخت پر ایک بیوقوف کوا رہتا تھا۔ جب پہاڑوں میں برف پگھلنے لگی اور جب گاؤں میں درختوں پر پتے اگنے لگے تو کوے نے اپنے گھونسلے میں چار انڈے دیئے۔ اس نے ان انڈوں کو اپنے سینے کے قریب رکھ کر سینکنا شروع کر دیا۔ بائیس دن کے بعد ان انڈوں سے چار چوزے نکلے۔ کوا بہت خوش تھا۔

ایک دن لومڑی نے جونیپر کے درخت پر کوے کا گھونسلہ دیکھا۔ اس نے چوزوں کی چہچہاہٹ سنی۔

جونیپر کا درخت بہت اونچا تھا اور گھونسلہ اس کی پہنچ سے باہر تھا۔

''میں اس گھونسلے تک کیسے پہنچ سکتی ہوں؟''

لومڑی نے سوچا۔ اس نے درخت پر چڑھنے کی بے سود کوشش کی۔ آخر کار اس نے جونیپر کی لکڑی سے ایک چھڑی بنائی اور سوچا،

''مجھے کسی طرح کوے کو بے وقوف بنانا چاہیے۔''

اس طرح لومڑی ہاتھ میں چھڑی لیے جونیپر کے درخت کے نیچے چلی گئی۔ کوا اپنے

گھونسلے میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا، "اے کوّا بہن، مجھے ایک چوزہ کھانے کو دو کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں۔ میں نے پچھلے تین دنوں سے کچھ نہیں کھایا ہے۔"
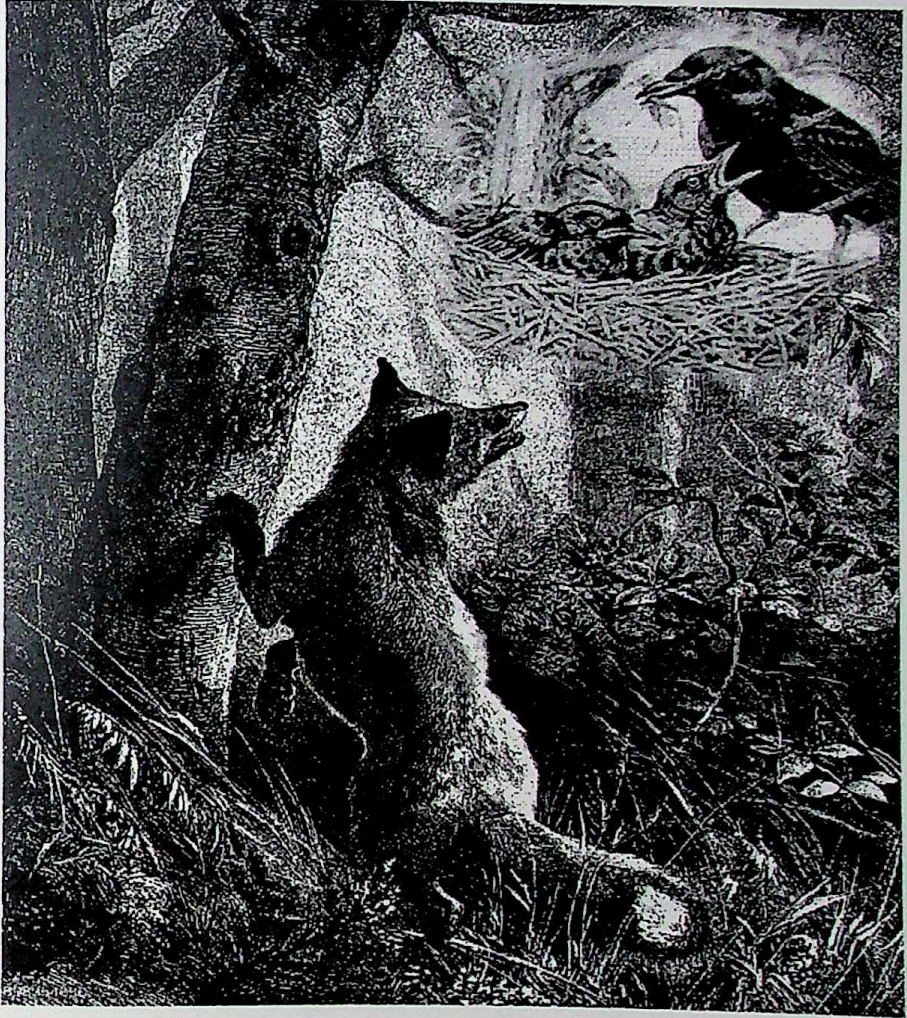
کوے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لومڑی نے پھر کہا: کوا بہن! کیا آپ مجھے ایک چوزہ دیں گے یا میں اس درخت کو جونیپر کی لکڑی کی چھڑی سے کاٹ دوں؟ کوا ڈر گیا۔ اس نے لومڑی کے لیے ایک چوزہ پھینک دیا۔ لومڑی بہت خوش ہوئی اور اس نے چوزہ کھالیا۔

اگلے دن وہ پھر درخت کے نیچے گئی اور دوسرا چوزہ مانگا۔ بے وقوف کوے نے ایک اور چوزہ درخت سے نیچے پھینک دیا۔

اسی دوران بطخ خاتون کو خبر ملی کہ اس کے دوست کوے نے چار چوزوں کو جنم دیا ہے۔حسب روایت وہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر کوے کو مبارکباد دینے چلی گئی۔

''مبارک ہو بہن، چوزوں کی سلامت پیدائش پر۔

کوے نے روتے ہوئے جواب دیا، کیا مبارک ہو میرے دوست؟

''کیا تم جانتے ہو کہ لومڑی میرے دو چوزے لے گئی ہے؟''

بطخ خاتون نے کہا،"

''لیکن میرے دوست، لومڑی آپ کے چوزوں کو اتنے اونچے جونیپر کے درخت سے کیسے لے جاسکتی ہے؟"

کوے نے جواب دیا،"

''وہ جونیپر کی لکڑی سے بنی چھڑی لے کر آئی تھی۔اس نے درخت کو کاٹ دینے کی دھمکی دی۔اس لئے میں نے اسے دو بچے دیئے۔

" تم احمق! لکڑی کی چھڑی درخت کو کیسے کاٹ سکتی ہے؟ لومڑی نے تمھیں بے وقوف بنایا ہے میرے عزیز۔اب میری بات غور سے سنو اگر وہ دوبارہ آئے اور چوزہ مانگے تو اسے مت دینا۔ بلکہ اس سے کہو کہ چھڑی سے درخت کاٹ دے۔ کیا تم سمجھ گئے ہو؟

بطخ خاتون نے کہا۔

اگلے دن لومڑی پھر وہاں آئی اور کہنے لگی،''

بہن کوّا! مجھے ایک چوزہ دو ورنہ میں جونیپر کی لکڑی کی چھڑی سے درخت کاٹ دوں گا۔''

کوے نے جواب دیا،

''لومڑی بہن! میں تمھیں مزید چوزے نہیں دوں گا۔ بہتر ہے کہ آپ درخت کو کاٹ دیں اور باقی تمام چوزوں کو کھالیں۔ یہ کہہ کر اس نے لومڑی پر تھوکا۔

"بے وقوف کوا! تمھیں یہ سب کس نے سکھایا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ وہ بیوقوف بطخ خاتون کل تمہارے گھر آئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے آپ کی رہنمائی کی ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ جاتے وقت، اس نے اپنے آپ سے کہا، اے بیوقوف بطخ، میں اب تمھیں نہیں چھوڑوں گی۔ میں تمھیں کوے کے چوزوں کے بدلے میں کھالوں گی۔

لومڑی بطخ کی تلاش میں ندی کے کنارے چل رہی تھی۔ اس نے اسے دریا میں تیرتے اور غوطہ لگاتے دیکھا۔ لومڑی بے بس تھی کیونکہ اسے تیرنا نہیں آتا تھا۔

پھر سردیوں کا موسم آیا، برف نے ہر چیز کو سفید اور سرد کر دیا۔ بڑا دریا جمنے لگا۔ ایک دن بطخ دریا کے کنارے برف پر بیٹھی تھی۔ شدید سردی کی وجہ سے اس کے پر بہت اکڑ گئے تھے۔ وہ ادھر ادھر جانے سے قاصر تھی۔ اس طرح وہ رات بھر برف پر کھڑی رہی۔

صبح ہوئی تو لومڑی نے بطخ کو وہاں بیٹھا دیکھا۔ بطخ نے لومڑی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اڑنے کی کوشش کی لیکن سردی کی وجہ سے اس کے پروں نے پھڑ پھڑانے سے انکار کر دیا۔ لومڑی کو بہت خوشی محسوس ہوئی۔ آخرکار، اس نے اپنے دشمن کو برف پر بے بسی سے ٹکے ہوئے پایا۔

"صبح بخیر، عقلمند خاتون!" لومڑی نے بطخ کو طعنہ دیا۔"

میں جانتی ہوں کہ تم نے بیوقوف کوے کے چوزوں کو بچایا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ آپ اپنے آپ کو میرے تیز دانتوں سے بچا سکیں گی یا نہیں؟

بطخ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"صبح بخیر، پرانے دوست۔ میں جانتی ہوں کہ آپ اس بار مجھے کھا جائیں گے۔ لیکن مرنے سے پہلے میں آپ کے لیے ایک گانا گانا چاہوں گی، میرے دوست۔ میرے لذیذ گوشت کی یاد کے ساتھ آپ کو میرا گانا ہمیشہ یاد رہے گا۔

لومڑی نے کہا،

"ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک! فوراً گانا گاؤ۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔

اس کے بعد بطخ نے آنکھیں بند کر لیں اور سریلی آواز میں گانا شروع کر دیا۔

"جب دریا واقعی منجمد ہو جاتا ہے، تو
صرف چنی ہوئی چیزیں کھائیں۔
برف پر، بطخ جم رہی ہے،
دریا میں، مچھلیاں سو رہی ہیں۔
جب موسم ٹھنڈا ہو اور لومڑی دلیر ہو تو
اپنی عقل قائم رکھو، میری ماں نے ایک بار کہا تھا۔

خوش ہوا اے دوست، قات، قات، قات،

میرے ساتھ گاؤ، قویت، قویت، قویت!

گانا سن کر لومڑی بہت خوش ہو گئی۔ اس نے کہا، ''خاتون آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔'' بطخ نے لومڑی کے لیے ایک اور گانا گایا۔

''جب سورج صبح طلوع ہوتا ہے،

ہر چیز اپنی شعاعوں سے گرم کرتا ہے،

جب سورج برفیلی چوٹیوں پر چمکتا ہے،

اور پھیکے پہاڑی گالوں کو روشن کرتا ہے،

جب سورج 'لتاچے' پہاڑ پر چمکتا ہے

تو سخت پہاڑی گھاس کو نرم کرتا ہے،

جب سورج ہر جگہ چمکتا ہے۔

اور میرے پروں کو نرم اور لچکدار بناتا ہے،

تب تیرا منہ پرندوں کی بیٹ سے بھر جائے گا،
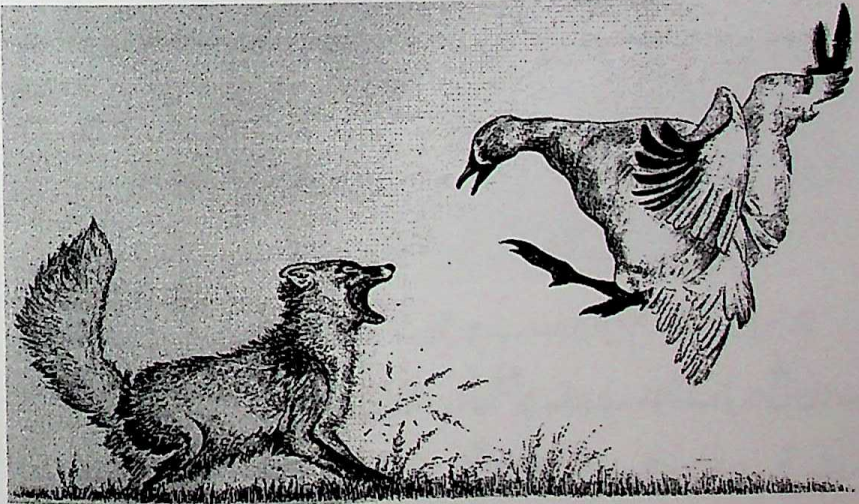
خوش رہو، میرے پیارے دوست!. یہ کہہ کر اس نے اپنا جسم برف سے اٹھایا۔ صبح کا سورج اس کے پروں کو گرم کر چکا تھا۔ اس کے پروں سے پھڑ پھڑاہٹ پیدا ہوئی اور وہ جمے ہوئے دریا کے اوپر اڑنے لگی۔ لومڑی نے بطخ کا پیچھا کیا، اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

بطخ نے سیدھا لومڑی کے منہ میں اپنا بیٹ گرایا۔ یہ بہت گرم اور لذیذ تھا۔ لومڑی نے سوچا، افسوس! اگر اس کا بیٹ اتنا اچھا ہے تو اس کا گوشت بھی بہت شاندار ہونا چاہئے! یہ سوچ کر وہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ برف پر گر پڑا۔ اس طرح اپنی ذہانت اور دانائی کی وجہ سے، بطخ نے اپنی جان اور اپنے دوست کے چوزوں کی جان بچائی۔

☆☆☆

(4)

سفید مینڈھا اور کالا مینڈھا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی پہاڑی سلسلے کے نیچے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوڑھا آدمی اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ ان کے پاس ایک سفید مینڈھا اور ایک کالا مینڈھا تھا جو انہیں بہت عزیز تھے۔ جب سردیوں کا موسم ختم ہوا اور پہاڑوں پر برف پگھلنے لگی تو گھاس کی نئی پتیاں اُگنے لگیں۔ تب بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا،
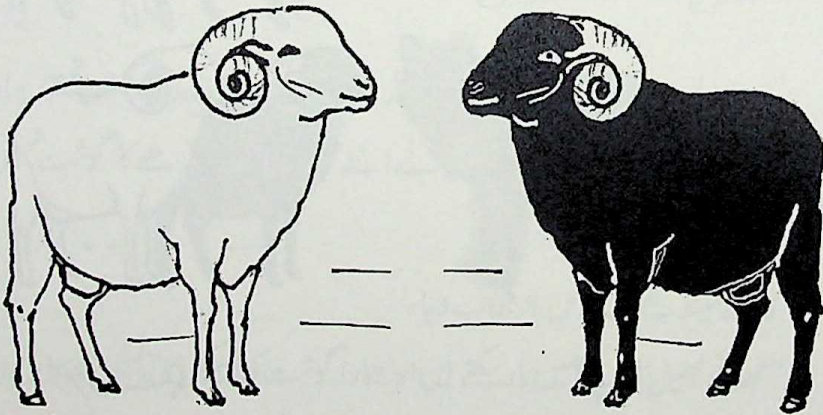
"اب گرمی کا موسم شروع ہوا ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ مینڈھوں کو پہاڑ پر بھیج دیا جائے تا کہ وہ تازہ پھول اور گھاس کھا سکیں"۔ اس کی بیوی مان گئی۔ لٰہذا، انہوں نے مینڈھوں کے بالوں میں کنگھی کی اور انکے سینگوں پر مکھن لگا کر کہا،

"ہمارے پیارے مینڈھو! ہماری بات سنو۔ گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا ہے، چراگاہیں ہری بھری ہو گئی ہیں۔ اس طرح ہم تمہیں پہاڑوں میں بھیج رہے ہیں۔ آپ اس میں آزادانہ گھوم سکتے ہیں، برفانی پانی پی سکتے ہیں اور جنگلی پھولوں کی چوٹی کھا سکتے ہیں۔ اپنا خیال رکھیں اور اپنے آپ کو صحت مند بنائیں تا کہ آپ خالص چربی خارج کرسکیں اور آپ کا پیشاب خالص تیل بن جائے۔ جب خزاں کے موسم میں ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہو جائیں اور ہری گھاس پیلی ہو جائے تو آپ اپنے گھر لوٹ آئیں۔ ہم آپ کے استقبال کے لیے یہاں انتظار کریں گے۔

مینڈھوں نے فرمانبرداری سے سر ہلایا اور اپنے آقاؤں کی خیر خواہی کے لئے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ ایک وادی میں ایک ندی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، تازہ گھاس کھاتے تھے اور تازہ ہوا میں جھوم رہے تھے۔ جب وہ ایک تنگ گھاٹی پر پہنچے تو ان کی ملاقات ایک لومڑی سے ہوئی۔
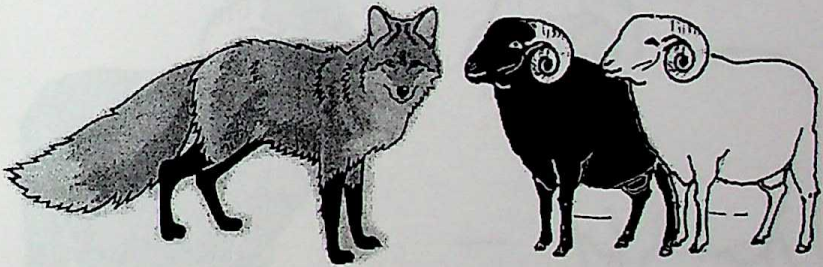
لومڑی نے کہا،

"اے کالے اور سفید مینڈھے! تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تمہیں ابھی کھا لوں گی، کیونکہ مجھے بہت بھوک لگی ہے"۔ لیکن سفید مینڈھے نے جواب دیا،

"پیارے دوست، ہم جنگلی پھولوں کی چوٹیوں کا کھانا کھانے اور تازہ پانی پینے کے

لیے اونچے پہاڑوں پر جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتنا موٹا ہونا چاہتے ہیں کہ ہم خالص چربی کو خارج کر دیں اور خالص تیل کا پیشاب کریں۔ اس وقت ہم بہت کمزور اور دبلے ہیں۔ اگر تم اب ہمیں مارو گے تو شاید تمہیں ہمارا گوشت پسند نہ آئے۔ جب ہم خزاں میں پہاڑ سے واپس آئیں گے تو آپ ہمیں مار کر کھا سکتے ہیں''۔

"مجھے یہ خیال پسند ہے۔"

لومڑی نے انہیں آگے بڑھنے دیا۔ جب وہ دوسری وادی میں پہنچے تو ان کی ملاقات ایک بھیڑیے سے ہوئی اور اس نے کہا۔
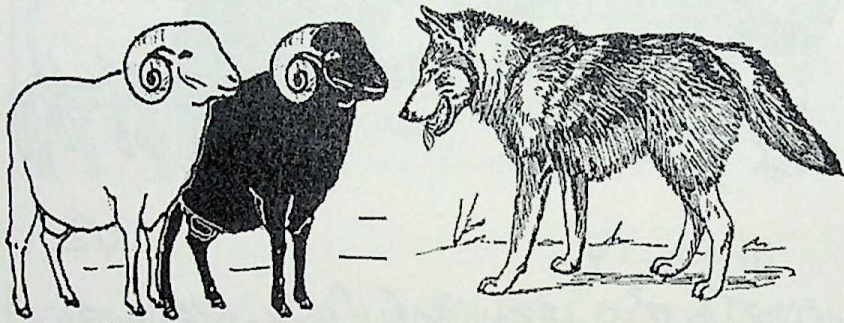
''اے بوڑھے آدمی کے سیاہ اور سفید مینڈھے! تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تمہیں مار ڈالوں گا اور تمہارا گوشت کھاؤں گا۔ میں نے اتنے مہینوں سے مینڈھے کا گوشت نہیں چکھا ہے''۔

کالے مینڈھے نے اس بار جواب دیا،

''بھائی بھیڑیا! آپ ہمیں مار سکتے ہیں اور ہمارا گوشت کھا سکتے ہیں، لیکن ہم سردیوں کے مہینوں میں اصطبل تک محدود رہے۔ اب ہم اتنے کمزور اور دبلے ہو چکے ہیں کہ ہمارے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور ایک انچ چربی بھی نہیں بچی ہے۔ ہم پہاڑوں میں جا رہے ہیں کہ جنگلی پھولوں کی چوٹیوں کا کھانا کھا سکیں اور برفانی پانی پی سکیں، تاکہ ہم

اتنے صحت مند ہو جائیں کہ ہم خالص چربی اور خالص تیل خارج کر سکیں۔ جب ہم خزاں میں اپنے گھر لوٹیں گے، تب آپ ہمیں مار کر عید منائیں۔'' بھیڑیے کو یقین ہو گیا اور ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔

ایک ندی کو پار کرنے کے بعد، وہ کالے پتھروں سے بھری ہوئی ایک پہاڑی پر پہنچے۔ ایک برفانی چیتا پتھروں کے درمیان سے نکل کر ان کے راستے میں بیٹھ گیا۔
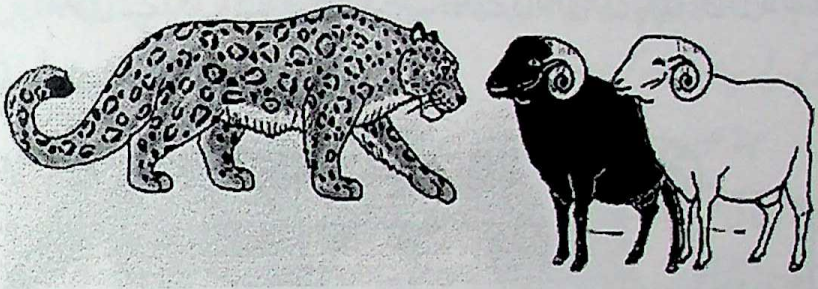
اس نے کہا،

''میرے اچھے ستارے آپ لوگوں کو یہاں لائے ہیں۔ میں تمہیں مار کر تمہارا خون پیوں گا۔ البتہ میں تیرا گوشت پتھروں کے درمیان چھپا کر آرام سے کھاؤں گا''۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے تیز دانت کھڑکائے اور پنجوں سے زمین نوچ لی۔ لیکن سفید مینڈھے نے اُس سے التجا کی، ''اے چٹانوں کے بادشاہ! براہ کرم میری بات سنیں۔ ہم خوشی سے آپ کو ہمیں مارنے دیں گے۔ لیکن ہم سال کے اس وقت اتنے کمزور اور پتلے ہیں کہ آپ کو ہمارے گوشت کا ایک لقمہ بھی اچھا نہیں لگے گا۔ جب ہم خزاں کے موسم میں پہاڑوں سے موٹے اور تندرست ہو کر واپس آئیں گے تو اے بادشاہ، آپ ہمیں مار ڈالیں۔ ہماری رگیں خون سے بھری ہوں گی اور ہمارا گوشت چربی سے بھرا ہوگا''۔

برفانی چیتے کو یہ خیال پسند آیا اور بولا،

''ہاں، ہاں، مجھے سردیوں کے طویل مہینوں میں تمہارے گوشت کی ضرورت ہوسکتی ہے۔آپ پہاڑوں میں جاکر اپنی تمام چربی دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں۔''

دونوں مینڈھوں نے اپنی قسمت کا شکرادا کیا اور آگے بڑھ گئے۔

جب وہ ایک پہاڑی دامن کے قریب پہنچے تو ان کی ملاقات ایک بھورے ریچھ سے ہوئی۔
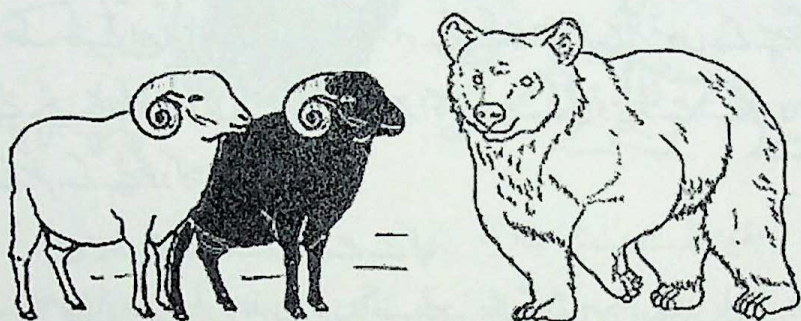
''ہاہاہا''، ریچھ نے کہا،

''میں گھاس اور جڑیں کھا کر تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے آپ کو مار ڈالنا چاہیے اور تبدیلی کے لیے آپ کا گوشت کھانا چاہیے۔''

لیکن کالے مینڈھےنے جواب دیا،

''اے گھاس کے میدان کے طاقتور بادشاہ! تم ابھی مار کر ہمارا گوشت کھاسکتے ہو۔ لیکن شدید سردیوں نے ہمارے جسموں سے ذائقہ چھین لیا ہے۔ہم پہاڑوں میں جارہے ہیں کہ جنگلی پھول کھاسکیں اور چشمے کا پانی پی سکیں۔ جب ہم خزاں میں گھر لوٹیں گے تو ہم اتنے صحت مند ہو چکے ہوں گے کہ ہم خالص چربی بہا رہے ہوں گے اور خالص تیل کا پیشاب کرر ہے ہوں گے۔ پھر آپ ہمیں مار سکتے ہیں اور ایک شاندار ضیافت کر سکتے ہیں۔

ریچھ کو بھی یہ خیال پسند آیا اور انہوں نے آگے بڑھنے کی اجازت دی۔

دونوں مینڈھوں نے مزید سفر کیا اور برف پوش پہاڑی چوٹیوں سے گھری ایک وسیع چراگاہ تک پہنچ گئے۔ ہر قسم کے جنگلی پھول کھل رہے تھے اور ہر قسم کی گھاس وہاں اُگ رہی تھی۔ برفانی چوٹیوں سے صاف شفاف پانی بہہ رہا تھا۔

انہوں نے گرمیوں کے مہینے اس چراگاہ میں گزارے۔ وہ علاقے میں گھومتے پھرتے اور کبھی کبھی تفریح کے لیے پہاڑی چوٹیوں کو بھی سر کرتے تھے۔ وہ سرخ مٹی میں لڑھک جاتے اور اپنا وقت خوشیوں میں گزارنے لگے۔ اس طرح گرمیوں کے مہینے گزر گئے۔ جب ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور سبز چراگاہ زرد پڑنے لگی تو مینڈھے اپنے گھر واپسی کے سفر کے لیے خود کو تیار کرنے لگے۔

سفید مینڈھے نے کالے مینڈھے سے کہا،

"بھائی میرے! اگر ہم اسی طرح گھر واپس چلے گئے تو اس بار ہمارے دشمن ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ آئیے ہم کوئی راستہ سوچیں تاکہ ہم اپنے گھر محفوظ طریقے سے پہنچ سکیں۔ کالے مینڈھے نے جواب دیا،

"ہاں، میرے بھائی۔ ہمیں بھیس بدل کر جانا چاہیے۔ یہاں بوجھ پتر کے بہت سے درخت ہیں۔ ہمیں ان درختوں کی چھال پہننا چاہیے اور اپنے آپ کو ان کا بیٹا کہنا چاہیے۔ اس طرح وہ ہمیں پہچان نہیں پائیں گے۔"

"ہاں، یہ ایک اچھا خیال ہے"،

سفید مینڈھے نے جواب دیا۔ چنانچہ انہوں نے برچ کے درختوں سے بہت سی چھالیں اکٹھی کیں۔ پھر انہوں نے چھالوں کو اپنے جسم پر لپیٹ لیا، ان کے مڑے ہوئے سینگوں سمیت ہر حصے کو ڈھانپ لیا۔ اس طرح، برچ درخت کے بیٹوں کے بھیس میں، انہوں نے اپنے گھر کی طرف سفر شروع کیا. ریچھ بے تابی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان

سے ملاقات کے بعد اس نے کہا،

"ہیلو بوجھ پتر کے بیٹو! کہاں سے آئے ہو؟ کیا آپ نے کوئی سیاہ اور سفید مینڈھا دیکھا؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ اس طرف کب آئیں گے؟"
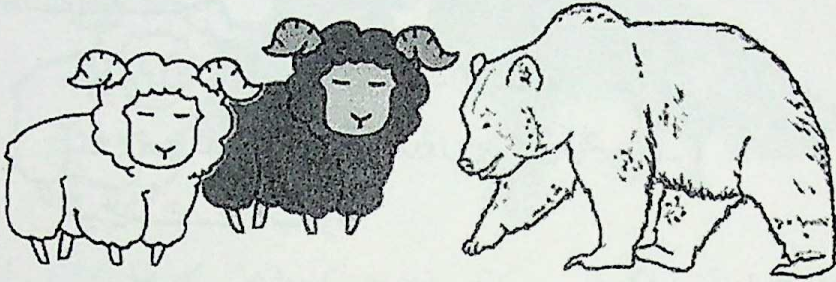
سفید مینڈھے نے جواب دیا،

"ہیلو جناب، ہم اونچے پہاڑ سے آئے ہیں۔ ہاں، ہم نے سیاہ اور سفید مینڈھے دیکھے۔ وہ کسی بھی وقت آسکتے ہیں جب کہ وہ اپنے جوتے ٹھیک کر رہے تھے اور سفر کے لیے چھڑیاں بنا رہے تھے۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

جب وہ پہاڑی پر پہنچے تو ان کی ملاقات برفانی تیندوے سے ہوئی۔ اس نے کہا،

"ہیلو بوجھ پتر کے بیٹو!، کیا تم نے سیاہ اور سفید مینڈھے دیکھے؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ اس طرف کب آئیں گے؟
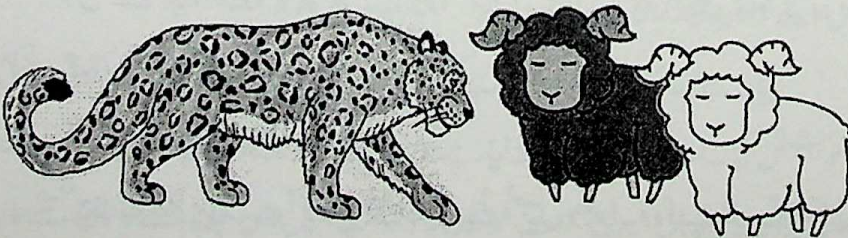
کالے مینڈھے نے جواب دیا،

''چٹانوں کے بادشاہ! ہم نے انہیں پہاڑ پر دیکھا۔ وہ بہت جلد آسکتے ہیں جبکہ وہ اپنے جوتے ٹھیک کر رہے تھے اور سفر کے لیے ٹیکنے کی چھڑیاں بنا رہے تھے''۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

نیچے کی وادی میں، وہ بھیڑیے سے ملے۔ اس نے کہا،

''ہیلو بوجھ پتر کے بیٹو! براہِ کرم مجھے دونوں مینڈھوں کی خبر دیں۔''

سفید مینڈھے نے جواب دیا،

''جی جناب۔ ہم نے انہیں دیکھا۔ وہ کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔ وہ اپنے جوتے ٹھیک کر رہے تھے اور سفر کے لیے چھڑیاں بنا رہے تھے''۔

یہ کہہ کر وہ مزید آگے بڑھ گئے۔

جب وہ تنگ گھاٹی پر پہنچے تو دیکھا کہ لومڑی پتھر کے ایک تختے پر بیٹھی ہے۔

اس نے کہا، ''ہیلو، بوجھ پتر کے بیٹو! کہاں سے آئے ہو؟ مجھے بتاؤ کہ وہ دو مینڈھے اس طرف کب آئیں گے؟''

کالے مینڈھے نے جواب دیا،

''جناب، ہم پہاڑ سے آ رہے ہیں۔ ہم نے انہیں دیکھا۔ وہ اپنے جوتے ٹھیک

کرر ہے تھے اور سفر کے لیے چھڑیاں بنا رہے تھے۔ وہ بہت جلد آسکتے ہیں۔
لیکن لومڑی نے کہا،

"ہیلو، لڑکوں! مجھے شک ہے کہ آپ بوجھ پتر کے بیٹے ہیں۔ مجھے پہلے چیک کرنے دو کہ کیا آپ واقعی ہیں"۔ یہ کہہ کر اس نے ان کے جسموں سے چھالوں کو نوچ لیا اور انہیں کالے اور سفید مینڈھے کے طور پر پہچان لیا۔

اس پر وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور بلند آواز سے پکارا،

"اے ریچھ! تیز دھار چاقو اور کھانا پکانے کے برتن لے کر فوراً آئیں! اے بھائی برفانی چیتے اور بھائی بھیڑیے! تیز چاقو اور ایندھن کی لکڑیاں لے کر فوراً جلدی کریں۔ دو مینڈھے یہاں آگئے ہیں۔"

لومڑی کی آواز سن کر وہ فوراً موقع پر پہنچے اور وہاں دونوں مینڈھے کھڑے پائے۔ انہوں نے انہیں گھیر لیا اور حملہ کرنے اور انہیں مارنے کی تیاری کی۔ اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر سفید مینڈھے نے کہا،

"پیارے بھائیو، ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے بے وقوفی سے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اب تم نے ہمیں پکڑ لیا ہے اور ہمارے بھاگنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن برائے مہربانی میری نصیحت کو سنیں۔ اگر آپ ہمیں اس جگہ، کھلے آسمان تلے مار

ڈالیں گے، تو تمام گدھ اور شور مچانے والے پرندے اس جگہ پر آئیں گے اور بلاوجہ ہمارا گوشت لے جائیں گے۔ اس کے بجائے، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ ہمیں ایک کمرے میں لے جائیں اور وہاں ہمیں مار ڈالیں تاکہ آپ آرام سے ہمارے گوشت سے لطف اندوز ہو سکیں۔''
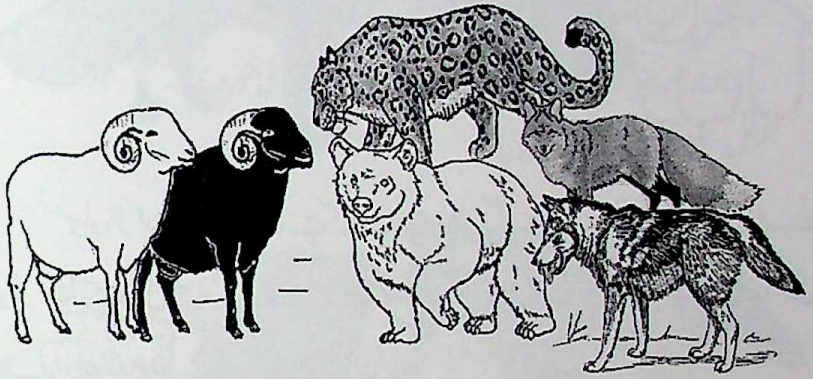
ان سب نے کہا، ہاں یہ عقلمندانہ مشورہ ہے۔ اور وہ دونوں مینڈھوں کو ایک اصطبل میں لے گئے جس کا صرف ایک دروازہ اور ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ پھر انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور مینڈھوں کو بیچ میں رکھتے ہوئے ہر کونے میں اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ پھر سفید مینڈھے نے کالے مینڈھے کے کان میں کچھ سرگوشی کی اور وہ مسکرایا اور کہا کہ ''چونکہ ہم مرنے والے ہیں اس لیے میں اپنی آخری دعا پڑھوں گا۔'' پھر اس نے اونچی آواز میں کہا،

''مارو، مارو اس کونے میں مارو! ریچھ کی آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ اس کا چہرہ پھٹ جائے گا اور وہ پاخانہ کرے گا''۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے طاقتور پٹھے مضبوط کر لیے اور اپنا سر تھوڑا سا جھکا کر ریچھ سے ٹکرایا اور اسے کونے میں ٹکرا دیا جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر سفید مینڈھے نے اونچی آواز میں کہا،

”مارو، مارو، اس کونے میں مارو! تیندوے کی آنکھیں باہر نکل جائیں گی، اس کا چہرہ پھٹ جائے گا اور اس کا پاخانہ نکل جائے گا۔“

یہ کہہ کر وہ تیندوے کی طرف بھاگا اور اپنے بڑے سینگوں سے اسے وہیں مار ڈالا۔

اس کے بعد، کالے مینڈھے نے اٹھ کر کہا،

”مارو، مارو، اس کونے میں مارو! بھیڑیے کی آنکھیں باہر نکل آئیں گی، بھیڑیے کا چہرہ پھٹ جائے گا اور وہ رفع حاجت کرے گا۔“

یہ کہہ کر وہ بھیڑیے کی طرف دوڑا اور اسے کونے میں کچل دیا۔

اب، کالے مینڈھے نے اپنے سینگ لومڑی کی طرف بڑھاتے ہوئے زور سے پکارا۔ اس نے کہا، ”مارو، مارو، اس کونے میں مارو! لومڑی کی آنکھیں باہر نکل آنکھیں گی، لومڑی کا چہرہ پھٹ جائے گا اور اس کا پاخانہ نکل آئے گا۔“

یہ کہہ کر وہ لومڑی کی طرف بھاگا۔ لیکن لومڑی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر بھاگ گئی۔

دونوں مینڈھوں نے خوشی کا اظہار کیا اور اپنے گھر کا سفر فاتحانہ انداز میں جاری رکھا۔

☆☆☆

THE STORY OF

API - TSO

FROM
THE LEGENDS OF LADAKH

Narrated by

KACHO ASFANDYAR KHAN

ISBN 938279734-3
9789382797340

The Story of
Api - Tso

(The Grandson of the Old Lady)

From
The Legends of Ladakh

Narrated

By

Kacho Asfandyar Khan

ZIKRA International Publishers, Delhi

Name of the book : The Story of Api - Tso
(The Grandson of the Old Lady)

Narrated by : Kacho Asfandyar Khan

ISBN : 938279734-3

Published by : ZIKRA International Publishers,
507, Matia Mahal, Jama Masjid,
Delhi -110006
Mobile : 9350000589, 7840000589
For
Kacho Publishers,
Kargil, Ladakh
Mobile : 6005889842, 9419000933

Ist. Edition : July 2022

Price : Rs.450.00

Printed at : A to Z Printers, Delhi

Dedication

"I dedicate this book to

Zainab, my wife

who is always like a pillar of

strength to me in

all the thick and thin of life"

About the Author

Kacho Asfandyar Khan is a well known poet and writer from Kargil Ladakh. He has written the following books on varied subjects:-

1. "Dastan -e- Karbala". Compilation of the devotional poetries of two classical Balti poets with their brief life history.

2. "Daam -e- Khayal". Collection of his Urdu poetries.

3. "Kaliman". Collection of his Balti/Purgy poetries.

4. "Ancient Wisdom from Ladakh". Compilation of Ladakhi sayings and proverbs with commentaries.

5. "Kashmiri Kahawaton Ki Dictionary". Urdu translation of James Hinton Knowles, book 'The Dictionary of Kashmiri sayings and proverbs'.

6. "The Story of rGyalam Kesar". Narration of the famous Ladakhi Epic in English.

7. "The Story of Nurbo Zangpo and Idthog Lhamo". English translation of the famous Ladakhi Epic, narrated by Kacho Sikander Khan Sikander in Urdu in 1977.

8. "Parkala -e- Guftar. Collection of his Essays in Urdu.

Preface

The story of Api Tso (The Grandson of the Old Lady)is one of the famous epics of Ladakh including Baltistan. The tale had been narrated by master storytellers until recent past, and it enjoys a status equivalent to the epics of Ling Kesar and Lhamo Hyutok.

It is the story of a bald-headed boy who was miraculously born by the grace of the legendary Baba Khizir of water.

At the beginning, this bald-headed boy is found by an old lady, sucking her only goat's milk in a mountain cave, surreptitiously. The lady eventually raises him as her own grand son. Thus, he is called Api Tso.

Kacho Sikander Khan Sikander, the renowned writer and historian from Ladakh, describes in his book'Qdeem Ladakh':

"After the Kesar saga, Api Tso is the next most popular epic of Ladakh, mostly prevalent in the Purig (Present Kargil)and Baltistan areas. The story of Api Tso is not as long and vibrant as the Kesar saga. Unlike the latter, its characters are not numerous. The fifty-yard-high wrestler, Api Tso, by his sheer physical strength conquers some presumably impossible neighbouring countries and brings home the princesses, Gul Handan Cho Cho and Gangs Choker Cho Cho.

The epic of Api Tso is set in the Baltistan area. It

appears that the story was evolved here mostly around the area of Shigar. Kacho Sikander Sahib further writes,"Among the early settlers of Shigar, the names of Tastey Cho, Api Tso, Gya Khangpa and Cha Khangpa clans and their family members like Sher, Mushad, Amacha and Gori Thum are prominent. In the Balti epic, Api Tso, we find the names of Hassan Mandil and Hussain Mandil who were probably from among those people. According to the local legends, Api Tso is considered a contemporary and the antagonist of Ling Kesar."

Kacho Sahib adds,"As per the local legends, Tastey Cho constructed a palace of lacquer near the hot spring of Thumal which was destroyed at the hands of Api Tso. It is believed that the hero in the epic of Baltistan had settled in the periphery of Askardu. He inhabited the place of Lamsa. It is also believed that during the same period, Kesar rGyalpo came from the Ladakh side and reached up to Rongdu. He married in Askardu and then returned to Ladakh. In the epic Kesar, the ancient Baltistan was called'rDud Yul'meaning the country of ogres and giants. It is also believed that the people of ancient Baltistan had huge physiques and most of them had been wrestlers. Legend says that the height of Api Tso was fifty yards and the weight of his sceptre was 18 mounds. The lower valleys of Shigar were under the occupation of the descendants of Api Tso".

The myth about the huge physique of the ancient Balti people seems to have some element of truth in it. I had personally heard it from my late uncle Kacho Mehdi Ali Khan that he had seen a Balti wrestler before 1947 in Kargil bazaar. His name was Ingut and he was from Kharmang Baltistan.

Kacho Sahib said that the man was so huge, that the tallest man of his time would only reach up to his armpit! Besides, one anecdote about this man is well known. He had killed a ferocious yak, punching it with one of his fists when it attacked him, and even though he had been carrying a load of two mounds of barley on his back at that time. Kacho Sahib further narrated a story about this man wherein Ingut was in Shimla, working as a labourer before 1947. He took part in a wrestling competition, encouraged by his companions, upon which, the organizers of the event accepted him as one of the contenders. Eye witnesses said that when Ingut entered the rink, he simply lifted his opponent, a massive wrestler from India, and after hovering him over his head like a sack of flour, he then threw him among the spectators.

The Resident commissioner of Shimla at that time rewarded him handsomely and his companions slaughtered a bull, celebrating his victory. This shows that Baltistan might have been surely inhabited by such colossus and leviathan personalities in the ancient times.

I believe that the epic of Api Tso evolved at a stage later than the epic of Kesar. It is because the name of Baba Khizir is new to the Tibetan language. Even the names of the other characters such as Gul Khandan, Hassan Mandil, Hussain Mandil, Bulde Ali Khan, and Sher Ali Kacha are almost Arabic. Similarly, there is a close resemblance between some of the events in this story and those described in the Arabic or Hebrew mythologies. For example, when Api Tso falls into the sea and he and his horse are devoured by a big fish, they remain in its belly for many days. This event reminds us of the story of the prophet Yunus who was

devoured by a whale and remained in its stomach for three days. After this, he was spit out by the fish at the shore of Nineveh by the command of Allah. His body was inflamed as a result of the acid in the stomach of the whale. Api Tso also remains inside the fish for many days and finally, is rescued by his friend and servant Osay Bizba, cutting the small rib of the fish. When he comes out of the body of the fish, his body too is inflamed by the acid in the stomach of the creature. But he is cured by Osay Bizba following the instructions of the old man. This shows that the storyteller was very much aware of the Iranian and Arab mythologies, corroborating our point of view that this epic was evolved at a later stage.

Although, I would hear this story in my childhood from my elders, and had most of it retained in my memory, I am still glad that today I have completed this epic of our region in Engilsh language, , based on the Purgi dialect narration of my friend and master storyteller, Shri Mohd. Jaffar Tokchey of Hagnis in the Chigtan area. I have tried my best to tell the story in the same flavour and tone as far as possible. I am grateful and thankful to Mr. Jaffar, for sparing his valuable time for the recording of the story at my residence. I will always pray for his health and happiness.

If any flaw is noticed in my rendering of the story, it may be treated as my own inability and lack of competence.

I have been lucky enough to be able to put to writing all the three famous Epics of Ladakh including Baltistan, in order to preserve these fine pieces of folk literature and these relics of our brave ancestors, for posterity.

It would not be out of place to mention here, that Ladakh region was also rich in Folk Tales and Fables. I have

heard numerous tales and fables from our elders during my childhood. These were one of the sources of entertainment for the young and the old people in those times. In the dark and gloomy winter nights, children would listen to these tales and fables with rapt attention. I still remember few of them by heart and would like to share them with my readers, as a sample of a rich legacy left by our ancestors and also with a view to preserve them for the posterity.

I am highly grateful to Miss Geetika Kohli, a poet, writer, orator and entrepreneur, for going through the manuscript, despite her busy schedule.

I am also thankful to my son, Mohd. Sikander Khan, for getting me a new laptop that facilitated this project. Thank you, dear son. God bless you.

Lastly, I am grateful to Mr. Pervez Khan my Son-in-law and Ms. Nasreen Fatima my daughter, for providing a room to me in a hotel 'The Kaiser Palace' during my stay at Kargil, enabling me to finalize and complete this book, without any worries about mundane things like food and shelter. I will always pray for their health, happiness and prosperity.

I am also thankful to Mr. Saeed Akhtar Khan Zikra Internatioal Publisher, who always tried his best to make my books presentable by his sheer hard work and dedication. May Allah bestow a good health and happiness to him.

In the end, I am grateful to Zainab, my wife, and my daughters Dr. Nusrat fatima, Dr.Kausar fatima and my brothers and sister and all well-wishers for their support and good wishes, giving me strength and stamina for undertaking such projects. I thank them all with utmost humility. I also

hope that my readers will enjoy this book and they may get glimpses of the colourful folk literature of Ladakh region in it.

The Story of Api - Tso

(The Grandson of the Old Lady)

Once upon a time, there lived a solitary old woman who had neither brothers and sisters, nor any well-wishers. She only had a bald headed (hornless) goat that had delivered a kid. She would send the animal to graze in the mountains with the shepherd boys of the village, who would take it along with their own flocks every day. She would entreat them to look after her pet, offering them some food.

The lady, as a practice, used to offer milk from one of the goat's teats to its kid. What she extracted from the other was used by her. After some time, she noticed that the goat had begun producing a reduced amount, satisfying neither the kid nor her.

She suspected that the shepherd boys had been milking the goat during the day and using it. Therefore, one day, she picked her basket and took the goat along to the place of its handover to the shepherds every day. When she met the shepherd boys, she said,

"O my dear shepherd boys! I think that you people might be milking my goat in the daytime. She gives less and less milk these days. I could only milk one of her teats, there being none in the other. I have been handing out eatables to

you all. But the goat is giving me only half the milk, which is not sufficient for the kid and me. So, it is a very difficult situation for me now. You should not have milked my goat."

It was some five to six boys who used to take the flock to the mountain for grazing every day. They replied, "What are you saying, old lady! We never milked your goat. Why should we use the milk of your goat?"

The old lady kept insisting on the point, upon which, the shepherd boys said, "Old lady, if you do not trust us then you should come with us the next time, just to establish that we do not milk your goat. What we know is that from a few days ago, your goat disappears from the flock at noon time. We do not know where she goes. But in the evening, she comes back to the herd. We take the flock up to the ridge of a mountain and then let the flock go ahead for grazing. We stay on that spot throughout the day, enjoying our meal. In the evening, the goats and sheep return from the mountain. But from the last few days, we have observed that your goat disappears in the day time and then reappears in the evening. As you do not trust us, you should come with us to witness it yourself."

Thus, the old lady accompanied the shepherds the next time.

When they reached there, they let the flock go out into the mountain. The boys remarked, "Old lady, now you must keep an eye upon your goat and see whether it disappears or not at noon time."

The old lady was constantly watching her goat. At noon, the goat suddenly disappeared from the flock. The old lady exclaimed, "O boys! Indeed the goat has disappeared. I

cannot see it now." The boys replied, "Granny! Now you must go and find out where she has headed."

Thus, the old lady went and looked for her goat amongst the flock. But she could not find it there. There was a huge plane of green turf and she walked here and there, searching for it. But she did not spot it anywhere. Then she saw a big opening in the ground of the green pasture. She peered inside and lo! She saw that a bald-headed child had been sucking her goat's milk. She called, "O bald headed child - it is you who had been taking my goat's milk these days! I was blaming the shepherd boys!" Saying this, she lifted the child and threw him on the ground. Upon this, the child rose from the ground and came to the old lady. He pleaded, "Mother, mother, don't strike me." The old lady felt sorry and thought, "I should not have beaten him." Since she had nobody to look after, she pondered upon bringing up the child. She felt he may look after her in the coming days. Thinking thus, she put the child in her basket and taking her goat along with her, she returned from there. When she reached the ridge of the mountain, the boys asked the lady, "O granny did you find your goat?"

The old lady replied, "O my dear nephews! Yes, I found my goat. I was blaming you people for the milk decreasing! But instead I found a bald-headed child in the cave of the grassland, who had been sucking the goat milk. At first, I threw him away saying that I was wrongly blaming the shepherd boys for the deed he had done. But when he requested me to not strike him, I had a change of heart. I brought him with me, thinking that one day he will look after me."

The shepherd boys responded, "You did the right thing, granny." Thus, she brought the child to her home. On that day, she gave the milk of one teat to the child and the milk of the other teat to the kid. Although the milk was sufficient for the two, there was none left for the old granny.

The child had no mother. The old woman did not know who he was. But he was growing miraculously day by day. In fact, he grew more in a day when compared to the monthly growth of other children of his age! The old lady had very little food for both of them. She had no land to grow a crop. She used to pass her days, begging here and there.

One day, she asked her adopted grandson, "O my grandson! Since I have become old and now you are a little grown up, would you go into the catchment of the valley to the right, where there is a palace? In that palace, there is a man called Apo Gonba and his lady, ApiYangzin. Apo Gonba is a godfearing man and ApiYangzin also deserves heaven. You should go there and tell them that you are the grandson of the old granny from the end of the village. Ask them if they would be gracious enough to give us one serjo full of flour. If not, then maybe they could give us one bojo full of barley? If they are magnanimous enough, then ask for a new garment. If not, then an old one. Ask for new footwear and new head gear. If they are not kind enough, then request for some old one.

The child replied, "Yes, I will go, granny." So, he took a stick in his hand and left for the catchment of the village. After traveling for some time, he reached the palace. He stood below a palace window and called thus,

"In the catchment of the valley to the right -

There is a great palace!
Far deep, inside the valley,
There is a great castle!
In that great palace, people say,
That a great person resides!
In that great castle, resides Apo Gonba.
People say that Apo Gonba is a god-fearing person.
People say that ApiYangzin also deserves heaven.
I am the grandson of the old lady;
I hail from the tail end of the village.
I am the loving grandson of the old lady of the village.
If you would give it willingly,
Then please give me one serjo full of flour.
If you do not like to do so,
Then give me only one bojo full of flour.
If you would give it willingly,
Then give me a new garment,
If you do not like to do so,
Then give me an old garment.
If you would give it willingly,
Then give me a new girdle,
If not, then give me an old one.
If you can do it willingly,
Then provide me with new footwear.
If not, then hand me something old."

Apo Gonba gave him a set of old garments including a cap, a girdle and footwear. While handing these things he said, "O dear grandson of the old lady, if we give you one serjo full of flour, you will not be able to carry it. As such, we are only giving you one bojo of it."

The shepherd boys responded, "You did the right thing, granny." Thus, she brought the child to her home. On that day, she gave the milk of one teat to the child and the milk of the other teat to the kid. Although the milk was sufficient for the two, there was none left for the old granny.

The child had no mother. The old woman did not know who he was. But he was growing miraculously day by day. In fact, he grew more in a day when compared to the monthly growth of other children of his age! The old lady had very little food for both of them. She had no land to grow a crop. She used to pass her days, begging here and there.

One day, she asked her adopted grandson, "O my grandson! Since I have become old and now you are a little grown up, would you go into the catchment of the valley to the right, where there is a palace? In that palace, there is a man called Apo Gonba and his lady, ApiYangzin. Apo Gonba is a godfearing man and ApiYangzin also deserves heaven. You should go there and tell them that you are the grandson of the old granny from the end of the village. Ask them if they would be gracious enough to give us one serjo full of flour. If not, then maybe they could give us one bojo full of barley? If they are magnanimous enough, then ask for a new garment. If not, then an old one. Ask for new footwear and new head gear. If they are not kind enough, then request for some old one.

The child replied, "Yes, I will go, granny." So, he took a stick in his hand and left for the catchment of the village. After traveling for some time, he reached the palace. He stood below a palace window and called thus,

"In the catchment of the valley to the right -

There is a great palace!
Far deep, inside the valley,
There is a great castle!
In that great palace, people say,
That a great person resides!
In that great castle, resides Apo Gonba.
People say that Apo Gonba is a god-fearing person.
People say that ApiYangzin also deserves heaven.
I am the grandson of the old lady;
I hail from the tail end of the village.
I am the loving grandson of the old lady of the village.
If you would give it willingly,
Then please give me one serjo full of flour.
If you do not like to do so,
Then give me only one bojo full of flour.
If you would give it willingly,
Then give me a new garment,
If you do not like to do so,
Then give me an old garment.
If you would give it willingly,
Then give me a new girdle,
If not, then give me an old one.
If you can do it willingly,
Then provide me with new footwear.
If not, then hand me something old."

Apo Gonba gave him a set of old garments including a cap, a girdle and footwear. While handing these things he said, "O dear grandson of the old lady, if we give you one serjo full of flour, you will not be able to carry it. As such, we are only giving you one bojo of it."

The bald-headed child took all these things on his back and returned to his home. When he reached there, the old lady asked him, "O my grandson! Did you see Apo Gonba and ApiYangzin? Did they give something to you?" Upon this, the child replied, "Yes grandma! I met them. As you said, they are very gentle and god fearing. They gave me a set of garments and one bojo full of flour." He handed over the flour to grandma. But it lasted only for a few days.

Since the old lady was not capable of travelling long distances, she beseeched her grandson again. "O my dear grandson! It is learned that in a few days' time the marriage feast of the daughter of Aba YabsThonba and Ama Yum Snonma has been fixed. You have to attend that feast, my child, so that we may get something to eat. Will you go there?"

Her grandson replied, "Where is that palace, grandma?" The old lady said, "Yes, it is far enough. Far ahead of the palace of Apo Gonba and ApiYangzin. There is a large village and the palace of Aba YabsThonba and Ama Yum Snonma is located there. They are the richest people in the area."

Thus, the child again proceeded towards the palace of Aba YabsThonba. After leaving behind the palace of Apo Gonbo and ApiYangzin, he reached a village deep inside the valley. The marriage feast of the daughter of Aba YabsThonba was going on. He straight away went inside the palace where the cooks were preparing the meal. He wished them and said that he was the grandson of the old granny and had come to attend the marriage feast. He would assist them. They gave him some dough of barley flour to eat. But he ate a little from

it and left the remaining dough with the cooks, saying "O uncle head cooks, I have an old granny living at the tail end of the village. I am keeping this meal here in my bag for her. I will collect it when the marriage party is over. Saying this, he kept his bag with the cooks and then went to attend the marriage party. The venue was empty. Thus, he sat himself in the first row in the hall. When all the young and the old people of the village arrived at the venue, then Zbalu Tung Tung, stood up and announced the seating order, which was to be as per the rank and the position of the people. He spoke thus,

"The rich and the wealthy people of the village
Are throwing a marriage feast!
Aba YabsThonba and Ama Yum Snonma are throwing a party!
They are piling chunks of meat for it!
The great man is fixing the butter pipe for this party.
The people of Kashmir are coming,
Enquiring his name;
And the Brokpas of Drass are coming too,
Hearing about the good name of the Gyapo!
All types of people are coming
To attend the marriage party of the great man -
Men from east and west are coming for the
Marriage of the Gyapo!
The Brokpas of Drass are praying
For the longevity of the great man!
And the people of Kashmir are praying
For the good health of the Gyapo!
They are serving food to all the insects to their fill,

They are serving food to the birds in the sky!

I, Zbalu Tung Tung, am making the seating arrangement.

The old people resembling the old Lammergeyer
Are requested to be seated in the row to the right!
All the aged and noble people are requested
to be seated at the head of the row to the right!
All the young men resembling the teeth of a tiger
Are requested to sit in the row to the right!
After the old people,
All the young boys resembling the stone beads
Are requested to sit in the middle of the rows!
All the old ladies resembling the heaps of buckwheat,
Are requested to sit at the head of the row to the left,
All the young ladies resembling the rounded dough of flour
Are requested to sit in the left row after the old ladies,
All the young girls resembling the roasted barley scattered around
Are requested to sit in the middle of the left row!
All the 18 people in the marriage party
Are requested to sit in the middle of the row!"

In this way, Zbalu announced the seating arrangement, in accordance to the age and status of people. When everybody began to sit in their respective seats, they found that the bald-headed child of the old granny had been sitting at the head of the first row. Thus, Zbalu asked him to move out, hitting him on his head. The child rose from the

seat and shifted among the old people. They also asked him to go out from their row and thus, he reached the row of the young boys. They teased and pinched him and threw him out from their row. Then the child entered the row of the marriage party. There also he was teased, tossed and beaten with the arrows by some and with the sticks and daggers by others. Then the child moved towards the row of the old ladies. But they too punched and kicked him out of there. Quite frightened, he ran away from the gathering and arrived at the end of the row near the entrance where a dog had been kept. The dog barked at him and he ran away from that place and reached near the gate keeper.

The gatekeeper asked him who he was. He narrated his story and said, "I am the grandson of the old granny and had come to the marriage feast of the Gyapo. Since, I do not know anything about marriage gatherings I sat at the head of the seating row. Zbalu who was a mean fellow, scolded me for sitting there. The people in the gathering teased and tossed me. Quite scared, I reached here and saw you."

The gatekeeper was a good man. He asked the boy to go into the kitchen and requested the cooks to fetch his bag in which he had kept the dough. The cooks handed his bag to the gatekeeper and he gave it to him. In this confusion, considerable time had been wasted and it was about to get dark. The boy thought he would not reach his home. He saw a house nearby and planned he would ask its owner to allow him to spend the night there. When he reached near the gate of that house, he found that it was a seminary. He opened the door and saw a Mullah and many students. He wished the Mullah and asked him,

"Sir, will you allow me to spend the night here?" The Mullah replied, "O child come in! Why not? You may spend the night here." The Mullah intuitively learned that the bald-headed boy was the son of the legendary Khizir of the water. The boy was asked to sit behind the other boys. The boys teased and tossed him there as well. He thought "O my god, I was troubled the whole day. I had thought that I would get some rest here." Thus, he feigned sleep, thinking that it might save him from the teasing of the boys. When the mullah saw that the boy was asleep, he said to the students. "O boys, do not hurt him. He is the son of Khizir of the water. One day, he will become the king. Then he will not spare a hair on your heads nor a tooth in your mouths." He remained there feigning sleep. Then a meal was offered to him as he spent the remaining night in that seminary.

In the morning, he thanked the Mullah and left for his home carrying the dough of barley flour. The old lady asked him about the feast. He responded, "Granny, you are hungry! But do you know I have had to suffer a lot there. I have brought this dough of flour for you. It is said that the rich man had arranged mounds of meat and ponds of butter. The people from Kashmir enjoyed the feast to their fill. The Brokpas of Drass also had it sumptuously. Even the wild goats from the mountains and the fish in the river attended the feast. But I did not get anything because I did not know the proper manner of sitting. I mistakenly sat at the head of the first row. A man called Zbalu Tung Tung, stood up later and announced the seating sequence, which I had unknowingly not followed. I was kicked away from my seat and they teased and tossed me very badly. I fled from the venue and stayed

the night in a seminary as it was getting late. But the students in the seminary were also very naughty. They troubled me. Then I feigned sleep, thinking that it will save me from the torture of the boys. As I was pretending to snore, I overheard what the Mullah said to the boys,

"O boys, why are you teasing and torturing this child? This boy is not a poor one. He has been born of a miracle of Khizir of the water. One day, he will become a king and at that time, he will not leave a hair on your heads and a tooth in your mouths."

Thereafter, they did not tease me anymore."

The old granny replied, "It is all right then. You must go to the mullah again tomorrow. Take this rema (snare hook) with you and ask the mullah about what he said to the boys. If he refuses to tell you anything, then you can tell the mullah that you will die by strangling yourself with this rema. The man will have to tell you the truth."

The boy took the rema and went to see the mullah. When he reached there, the mullah enquired, "Why did you come back, child?" The boy replied, "Respected mullah! Yesterday, when I stayed in your school, the boys bothered me so much! Thus, I feigned sleep thinking that it may save me from their torture. While I was pretending to snore, I overheard what you were telling them, "O boys, do not tease this boy. He is not a humble, poor one. He is the child born of a miracle of the prophet Khizir." Today, I have come to ask you about the truth in it."

The mullah answered, "O my child, I did not say any such thing. You might have heard something wrong." Upon this the boy warned, "If you do not tell me the truth, I will kill

myself and the sin will be upon you." Saying this, he put one end of the noose around his neck and put his foot in the other end and began to pull it, strangulating himself. Thereupon, the mullah stopped him,

"O boy, wait a minute! Do not kill yourself. I will tell you something. Will you kill the bald-headed goat and its kid? The child replied, "No sir. The bald-headed goat is my mother. I have drunk her milk. How can I kill my mother? The bald-headed kid is my brother .How can I kill my brother?"

Thereupon, the mullah said, "O child, let the old granny carry the knife and then you slaughter the goat. Similarly, you must kill the kid. Tell your granny to carry one arm of the goat and go into the cave situated at the end of the village. She should stay there for seven days and seven nights in a state of meditation, without talking to anybody. Similarly, after slaughtering the kid, you must carry the arm of the kid and go into the cave situated at the head of the village. You must not talk for seven days and seven nights. After the completion of this period, something will happen to you."

Thanking the mullah, he came back and narrated the whole thing to the old granny. The granny was quite happy upon hearing it. Thus, they slaughtered the goat and the kid. The old granny took the arm of the goat and went into the cave situated at the end of the village. She stayed there for seven days and nights without talking to anybody. Similarly, the bald-headed boy took one arm of the kid and went into the same place, staying in meditation for the said duration, without talking to anybody as per the instructions of the mullah.

When the old lady reached the cave, there was an invisible being who brought all kinds of food to her. Similarly, in the cave, at the start of the village, there was also somebody who brought all kinds of food to the bald-headed boy. They took the meal without uttering a word. They spent seven days and nights in this manner. On the seventh day, he was reminded that the mullah had said that something would happen. But nothing happened at all. So, he thought that he had told a lie to him. Thinking about it, he came out from the cave and reached the bank of the river. There were many drift woods there. He tied a rope around his waist. He thought, "The mullah has told me a lie. Now, I should carry some drift wood for fuel as there is scarcity of it at home." When he began to make a heap of driftwood on his rope, he saw a huge snake just some steps away from him. He got very scared. He thought that the mullah had sent him there just to get him killed. However, he again loaded the wood on his rope while keeping an eye on the snake. Meanwhile, the pile of the wood fell to the ground again. Once more, he loaded them on his rope. It took some time. Suddenly, there was a deafening sound and he saw that the snake had disappeared but the river had been parted into two. Half of the river was flowing upstream and the other half was flowing downstream. He thought that the snake had been sent to stop him or to delay his departure from that place. Then he saw a huge flat rock had appeared in the middle of the river and many spiritual beings were offering prayer on that flat rock. He further saw a man who had brought a branch of an apple tree in his hand. He planted that branch at the corner of that rock. And lo! The small branch began to grow at a tremendous speed. By the

time the holy men finished their prayer, the branch became a fully grown tree. It bloomed and bore fruits and those fruits were ripened now. In the meantime, he thought that since the mullah had told him that he was the son of Khizir, his father could be among those holy men. Therefore, as soon as they completed their prayer, he called them from the bank of the river,

"O my Baba (Father), I am so short -
Grant me a height equivalent to fifty hands of a man!
O my Baba, my arms are short -
Grant me an arm as long as fifty yards!
O my Baba, my hand is so small -
Grant me a hand as big as a hay rake!
O my Baba, my feet are so small -
Grant me feet as big as a panji (Door)!
O my Baba, my head is so small and bald too -
Grant me a head as big as a little ground,
And give me fifty mounds of hair on my head.
O my Baba, my eyes are small -
Grant me eyes as big as ponds!
O my Baba, my mouth is very small -
Grant me a mouth as big as a treasure house!
O my Baba, create a width of fifty fingers
Between my eyes and my eyebrows!
O my Baba, give me Sher Ali Kacha as my palace!
O my Baba, give me a palace which would not
Touch the ground in nine steps!
O my Baba, give me a palace which would not
Touch the sky in nine steps!
O my Baba, give me fields of fifty khals.

O my Baba, give me fifty pairs of Zo (oxen)
For ploughing the fields!
O my Baba, give me 18 tenants to cultivate those field.
O my Baba, give me fifty planes of pasture land for my cattle.
O my Baba, give me a sceptre of 18 mounds of iron!
O my Baba, give me a sword, shining like lightning,
As my share of weapons!
O my Baba, give me a spear which can touch the sky.
O my Baba, give me 'Gangs Soker Cho Cho' as my spouse!
O my Baba, give me Nimalde-Bullde as my child!
O my Baba, give me Chips Chen Norbu
With his nineteen stirrups, as my riding horse!"

By the time he finished his prayer, the holy men had also finished theirs. They distributed the apples among themselves. But some were left on the rock. Then someone from among the holy men gave a loud call, saying, "Is there anybody who would like to eat any apple?" Api Tso replied, "Sir, I would like to eat the apple."

"How will you take the apple from here in the middle of the river?" The man asked from above a rock. Since, all his wishes had been fulfilled and granted instantly by that time, by the grace of Khawaja Khizir, so, Api Tso placed his spear as a bridge between the rock and the bank of the river and then holding it with his one hand, he stretched his other hand of fifty yards and took the apples in his hand. Meanwhile, he put one apple in his mouth. It is said that the apple was destined to become Gangs Soker Cho Cho as his spouse.

When all his wishes were granted, there was another deafening sound and all the holy men along with the rock disappeared; the river began to flow normally. Api Tso now had been transformed into a huge warrior. He mounted his horse, took the scepter, the sword and the spear in his hand, and then moved towards the end of the village to meet his granny. When his granny saw the mighty warrior coming towards her, she began to run away out of fear. She thought, "This is a giant who has devoured my nephew and now is coming to consume me."

The old granny spoke thus,
"Aha ha ley aha, after eating my grandson,
Have you now come to devour me?
Aha ha ley aha, where did this ogre come from?"
She kept running away. Upon this, Api Tso said,
"O my old granny, now please listen to me!
O my old granny, do listen to what I say.
O my grand nanny, don't run away from me!
O my old granny, please do not flee away from me!
By the grace of God, I have become such a man, o granny!
By the grace of my Baba, I have been given all these things.
I am the bald-headed child of yours, o Granny.
I am your grandson, why do you run from me?
By the grace of God, I was bestowed with a height of 50 yards,
My arms became fifty hands long.
My eyes became the size of a pond.
My mouth became the size of a store room.

I was bestowed with a sceptre of 18 mounds of iron.
I was bestowed with the sword shining like lightning!
I was granted a horse called Chips Chen Norbu,
Having 18 stirrups!
By the grace of God, my hand has become as big as a hay rake.
Why are you running? O granny, I am your grandson!"

But the old granny ran away towards her hut at Sher Ali Kacha. When she reached there, she saw a huge palace had come up, where her hut had stood. She stopped there. When Api Tso reached there, she was convinced that he was truly her grandson, who was transformed into a kingly person by the miracle of Baba Khizir of the water. After staying in the palace for a few days, he took his horse to the bank of the river for a run.

Since he had already become the Raja of the area, he adorned himself with his sword, the sceptre and the spear, and mounting upon his horse, he went to the river bank. He went up and down along the river bank, letting his horse run in the sand. While he was doing it, he heard a voice coming from the river. It was saying,

"O look at this bald-headed boy! Now, he has become a big man and after filling his stomach and satiating his thirst, he has forgotten that once he had been drinking the milk of a bald-headed goat!"

When he heard this, he stood still there and tried to find out who was saying it. There were some boatmen in the river, so he addressed them and spoke thus:

When all his wishes were granted, there was another deafening sound and all the holy men along with the rock disappeared; the river began to flow normally. Api Tso now had been transformed into a huge warrior. He mounted his horse, took the scepter, the sword and the spear in his hand, and then moved towards the end of the village to meet his granny. When his granny saw the mighty warrior coming towards her, she began to run away out of fear. She thought, "This is a giant who has devoured my nephew and now is coming to consume me."

The old granny spoke thus,
"Aha ha ley aha, after eating my grandson,
Have you now come to devour me?
Aha ha ley aha, where did this ogre come from?"
She kept running away. Upon this, Api Tso said,
"O my old granny, now please listen to me!
O my old granny, do listen to what I say.
O my grand nanny, don't run away from me!
O my old granny, please do not flee away from me!
By the grace of God, I have become such a man, o granny!
By the grace of my Baba, I have been given all these things.
I am the bald-headed child of yours, o Granny.
I am your grandson, why do you run from me?
By the grace of God, I was bestowed with a height of 50 yards,
My arms became fifty hands long.
My eyes became the size of a pond.
My mouth became the size of a store room.

I was bestowed with a sceptre of 18 mounds of iron.
I was bestowed with the sword shining like lightning!
I was granted a horse called Chips Chen Norbu,
Having 18 stirrups!
By the grace of God, my hand has become as big as a hay rake.
Why are you running? O granny, I am your grandson!"

But the old granny ran away towards her hut at Sher Ali Kacha. When she reached there, she saw a huge palace had come up, where her hut had stood. She stopped there. When Api Tso reached there, she was convinced that he was truly her grandson, who was transformed into a kingly person by the miracle of Baba Khizir of the water. After staying in the palace for a few days, he took his horse to the bank of the river for a run.

Since he had already become the Raja of the area, he adorned himself with his sword, the sceptre and the spear, and mounting upon his horse, he went to the river bank. He went up and down along the river bank, letting his horse run in the sand. While he was doing it, he heard a voice coming from the river. It was saying,

"O look at this bald-headed boy! Now, he has become a big man and after filling his stomach and satiating his thirst, he has forgotten that once he had been drinking the milk of a bald-headed goat!"

When he heard this, he stood still there and tried to find out who was saying it. There were some boatmen in the river, so he addressed them and spoke thus:

"O boatmen, did you call me a bald-headed child?"

The boat men replied, "O warrior on the bank of the river, we swear by you that we did not say it. Why should we address you so? We think that the river below the boat has said it."

Thereupon, he asked the river,

"O flowing river, did you refer to me as a bald-headed child?

The river replied,

"O warrior on the bank of the river, I swear by you, I did not call you thus. Why should I say it to you? I think that the blue rock in the middle of the river spoke the words."

Thereupon, he asked the blue rock in the depth of the river,

"O RduwaTharan and Shing Tharan (blue rock)! Did you say that I was a bald-headed child? Did you call me the bald-headed child of the old granny?"

The blue rock replied,

"O warrior on the bank of the river, I did not say it. Why should I say so to a warrior like you? I think that the damsel living inside me has said it."

Then he asked the damsel living inside the blue boulder,

"O damsel, RduwaTharan, Shing Tharan! Did you call me a bald-head child?"

The lady living inside the boulder replied,

"O warrior on the bank of the river, I swear by you that I did not say so to you. Why should I say it to a warrior like you? I think that the child in my body has said it."

Thereupon, he asked the child inside the body of the

lady,

"O child living inside the body of this lady! Did you say these words? O RduwaTharan, Shing Tharan! Did you refer to me as a bald-head child of the old granny?"

The child replied from within the body of the damsel,

"O man on the bank of the river! Yes, I did call you a bald-headed child - the bald-headed child of the old granny. Did you forget the taste of the milk of the bald-headed goat of the granny?"

Upon this Api Tso became very furious and hit his sword against the river. Half of the river flowed back upstream and half of it flowed down stream, thereby exposing a big boulder in the middle of the river. Then he thought that the voice was coming from that boulder. Thereupon, he hit it praying that his sword may not harm any living being therein. When the boulder broke into pieces, a damsel and a child emerged from inside it. The damsel was Gangs Soker Cho Cho destined to be his spouse. The child was NimaldeBullde, a son bestowed to him miraculously by Baba Khizir. As soon as the child came out of the river, he grappled his father, Api Tso, and fought with him. They wrestled with each other and in this process, many pine trees were uprooted from the bank of the river. Since they did not know each other, they fought like real enemies. After a great struggle, Api Tso was able to tie the arm of the child with a pine tree with twelve ropes. Had the child won the battle, he would have killed his father without ascertaining who the man was.

But Api Tso won the battle, upon which, the boy said, "O man! You have won the fight this time but if my father comes to know about this then he would leave no life in your

body."

Api Tso asked the boy about who his father was? The boy replied, "You do not know him. His name is Sher Abbas Khan, the son of Khizir of water. I am the grandson of Khizir."

Thereupon, Api Tso realized that the child was his own son. He had prayed to God to bestow a son upon him. Thus, both of them recognized and embraced each other. Thereafter, he put Gangs Soker Cho Cho as the pillion and the boy on the front side of the saddle and came to Sher Ali Kacha. When he reached near his village, he called his granny and spoke thus,

"O my old granny, please do come out of the palace!
By the grace of God, I got all I had wished for.
By the grace of my Baba, all my desires have been fulfilled.
I got Gangs Soker Cho Cho as my spouse!
I was bestowed upon with a son, Nimalde_/Bullde!
Let 18 boys born in staklo, (Year of the Tiger) carry the ceremonial bread and butter and come to receive me!
Let 18 girls born in luklo, (Year of the Sheep) carry the ceremonial bread and butter and come to receive me!"

The old lady and some girls and boys who were born in luklo and staklo came out carrying the ceremonial bread and butter to receive and welcome Api Tso and his bride. When they met, he narrated the entire episode and said that he got all those things by the grace of his father Khizir of the water. They stayed in the palace built by a miracle. Since

Nimalde was also a knight, his growth in one day was equal to the growth of other children in one year. After some time, he became a grown-up man. One day, the old granny said to him,

"O my child, it is said that the most difficult thing for a father is to find a suitable bride for his son. What is the most difficult thing for the son, the people say, is to perform the funeral rites of his father. Now, your son has become a grown-up man. Therefore, we must search for a bride for him."

Api Tso replied, "O granny! I have no experience in the search for a bride. Besides, where should I look for her?"

Thereupon, the granny said, "O my grandson, I have heard that there is a country called Aha Yul, where it is said that there are three princesses. The name of the first one is Gul Handan Cho Cho. The name of the second is Paliki Mandok Cho Cho and that of the third one is Rdong Rguma Cho Cho. It is a country of devas and ogres. But you are a brave man and you have got weapons like the sword, the scepter and the spear. So, you must go there in search of these princesses."

Api Tso got breads prepared out of 18 khal of wheat flour. These were loaded upon his horse to be used during the journey. They did not know how long it would take to return. He and Osey Bizba, who was given to him by Baba Khizir as his companion and servant, discussed the journey.

"O brother, Osey Bizba! Let us exchange a sign or a flower with each other. You will stay at home looking after my granny and family during my absence. Please keep eyes on all affairs hereafter, obeying the bidding of my granny. If any

misfortune befalls upon you, then the flower given to me by you shall wither away and I will come back to rescue you immediately. If some misfortune befalls upon me, then the flower given to you shall wither away. In that case, you must come for my rescue at once."

Saying this, he proceeded towards Aha Yul. After traveling for many days, he found a huge sea blocking his way to the place. He looked here and there but there was no way out. Therefore, he dismounted from his horse and then began to pray to God saying,

"O my lord! There is no way to cross over this sea!
Let there be a bridge build by the grace of my father,
Khizir of the water!
I am going to Aha Yul,
I, the leader of all men, have to go to Aha Yul!
In Sher Ali Kacha, lives my son,
In the palace of Sher Ali Kacha,
Resides my son, NimaldeBullde.
What is the most difficult thing for a father, people say?
It is to fetch a bride for his son.
What is the most difficult thing for the son, they say?
It is to perform the funeral rites of his parents.
It is said that the essence of the high pasture land
Are all kinds of wild sheep!
Let the big horned wild sheep come
To form the wall of the bridge!
Let all the she sheep with white bellies,
Become the wall of the abutment of the bridge!
Let all the small sheep become the filling in the wall!

The essence of the high mountain rocks
Are the wild ibexes!
Let the big horned wild ibexes become,
The wall of the abutment of the bridge!
Let all the young and small ibexes become
The filling in the wall of the abutment!
The essence of the water of the sea
Is said to be the fish with golden eyes!
Let the male fish with golden eyes
Become the central beam of the bridge!
Let the she fishes with white bellies
Become the floor of the bridge!
Let all the small fish become the railing of the bridge!"

After praying and wishing all these things to happen, he thought that by the grace of his father, Khizir, all his wishes would be fulfilled.

Thereupon, all the wild sheep came and became the wall of the abutment of the bridge. Then the smaller sheep came and became the filling in the abutment. All the wild ibexes became the wall of the other abutment of the bridge. When the two abutments were ready, then all the male fish with golden eyes came and became the central beam for the bridge. Thereupon, the female fishes with white bellies came and became the floor of the bridge. The smaller fishes became the railing of the bridge. In this miraculous way, a bridge was ready in no time.

When the bridge was ready, Api Tso thought, "I am not a humble man". He had forgotten the grace of God as well as his father's largesse. He had indeed become a little proud.

He mounted his horse smugly and began to cross the sea over the bridge. Meanwhile, a huge fish had been roaming in the sea. It saw a dream that in the morning a man and a horse were coming into the sea to end up as its meal. While crossing the bridge, when his horse put its feet upon the belly of a female fish, forming the floor of the bridge, it jumped into the sea and both the horse and its rider also tumbled in through the gap in the floor. They fell straight away into the mouth of the great fish. The fish thought,

"For a long time, I have not eaten such a huge morsel. Today, I feel that I have taken a sumptuous breakfast, even lunch! It was so happy about the meal that it began to jump to the sky. It reached the middle of the sky and then fell again into the sea. The fish thought, "I have heard that there is a seventh sky. I should jump again so that I may reach up to that space." Thinking this, it jumped again with full force and reached up to the seventh sky. But as it fell back, it fell upon a huge mountain far away from the sea. It tried to jump here and there again but could not do so. Thus, it died on the spot. The horse and the rider were inside its body. They remained there for quite some time.

Meanwhile, Osay Bizba saw that the sign or flower of his master Api Tso, had withered a little. So, he told the grandma that he had to go in search of his master as he seemed to be in trouble. "Give me some food for the journey." The old lady gave him one mound of rice. Carrying this, he went in search of Api Tso. When he reached the shore of the sea, he found all the wild sheep, goats and fishes had been waiting for Api Tso. He went up to the bridge and asked the fishes about why they were waiting there. They said, "We have

been told by a king that we should become the bridge for him. Now, we are thirsty and hungry. We have been burned by the sun on one side." Then Osay Bizba crossed the bridge. When he reached the other side of the bridge, he told the wild sheep, the goats and the fishes, "Promise me that when the king returns, you will build the bridge again." They all promised so. Upon this assurance, he permitted them to go. He threw the rice into the water and told the fishes that they may eat it. He told the wild sheep and goat to go into the mountain and eat and drink. When the king arrived, they would have to come again to build the bridges.

He walked ahead and reached a village called DakkerDaknag where fifty families dwelled there. After traveling for some distance, he met an old man and an old woman at the end of the village. He wished the old man who said, "O boy! Where did you come from? No flying birds ever came to this place, not to speak of human beings. There are the sentinels of ogres and man-eaters in the way. They devour the passers-by."

He replied,

"Yes, old man. I reached here somehow. I am from a far-off place and had to come here. Would you allow me to stay the night in your house?"

The old man asked him to stay the night with them. He offered food to him and provided fodder for his horse too. When they were having dinner, the old man heaved a deep sigh. Osay Bizba asked the old man,

"Old man, why do you heave a sigh? Are you worried that you have given all your food to me and my horse? If this is the reason, then I will pay for it in the morning. You need

not worry about it." The old man replied,

"No, my boy I did not feel any sorry for providing you with the food and fodder." But Osay Bizba insisted the old man to tell him the truth about why he looked that gloomy. Upon this, the old man said,

"O my boy! The truth is that I had nine sons. All of them have got married and have settled separately. I also had nine daughters. All of them have got married and are living with their husbands. At the head of this plane area, a huge fish had fallen from the sky. All the fifty households have brought fifty mule loads of the fish meat each. But my sons and daughters have not brought a single morsel of fish meat for me. That was the cause of my distress."

Osay Bizba said, "Oh! This was the reason for your distress! Could you arrange some pack animals, sags and axes? If you could arrange these during the night, then I will accompany you to fetch the fish meat for your family in the morning. The old man said, "O my old woman, you may serve dinner to this boy. I am going to arrange the pack animals."

Saying this, he went into the village and asked the fellow villagers to lend some animals to him. They were generous enough and lent some fifty animals along with sags, ropes and axes. When all the animals reached his door, dawn broke. Then the old man and Osay Bizba went towards the site where the dead fish had been lying. They saw that in spite of fifty mule loads of fish meat being taken away by each household, only a small portion of the meat on one rip of the fish had been finished.

Osa Bizba told the old man, "O old man! Now you hold the openings of the sags, I will cut the meat and throw it

into them."

When he cut about fifty mule loads of meat from the small rip of the fish, Api Tso heard a tapping sound coming from outside. He called from inside the body of the fish,

"O mean fellow! Why are you making this noise? My horse and I have been inside the body of the fish for the last five days. If I get a chance to come out, I will not spare a hair upon your head and not a single tooth in your mouth!"

When Osay Bizba heard this voice, he asked about who was in the body of the fish. Api Tso said, "Who are you? Who is tapping on the rip of the fish?

Upon this, Osay Bizba replied "I am Osay Bizba".

Api Tso was amazed, "Oh! It is my friend! Now, cut the meat and throw it away. Inside the body, there is no food to eat and no water to drink. O, OsayBizba, now cut it and make an opening for me to come out."

Osay Bizba responded,

"O my brave friend, please hear me out!
O my friend, where did you keep the bread of 18 mounds of flour
which the old lady had given to you?
Where did you keep the scepter of 18 mounds of iron?
Where did you keep the Nam Ralma sword?
If you were hungry, why did you not eat the bread?
Strike the small rib of the fish with your scepter.
Cut and tear the small rib of the fish with the sword-
It is capable of ripping apart the sky!"

Upon this, Api Tso stretched his hand and found the sag of the bread. He took some bread. Then again, he extended his hand and found his iron scepter. Now, he began

to strike the small rib of the fish with his scepter with such force that it broke it. Since, Osay Bizba was cutting the meat from the small rib of the fish from out he was thrown away by the force of the scepter and landed on the shore of the sea. Osay Bizba remained there unconscious for some time in the sand. When he regained his consciousness, he walked back near the fish and said, "O my master you did not tell me that you are going to strike with the 18-mound sceptre. It broke the rib of the fish and threw me in the sand at the shore of the sea."

Api Tso replied,

"O my friend I could not think about such things being inside the body of the fish. Now, I am coming out from the spot of the broken rib. OsayBizba insisted that one more rib must be broken so that both the man and the horse could come out easily.

But Api Tso rejected the idea, "I will come out from the hole of the broken rib. When he came out, they saw one side of both the man and the horse was almost rotten. When the old man saw such a huge man coming out from the hole of the broken rib, he ran away out of fear. He said to Osay Bizba,

"O boy! What a monster is coming out of the body of the fish!" OsayBizba said, "Old man, you need not be scared. This is not a monster. He is our master. I have come in search of him."

Thereafter,Osay Bizba loaded the pack of animals with fish meat and returned to the old man's house along with Api Tso.

There was ample meat brought by Osay Bisba for the

old man. Osay Bizba told him that the huge one was their king, Sher Ali Khan Api Tso, who had fallen down into the sea and reached into the belly of a huge fish. Since, one side of both the man and the horse had been rotten, he asked if there was any Amchi (doctor) or any medicine to cure them.

The old man responded, "Do not grieve, young man. Go into the valley to the right tomorrow, early morning. There is a vast green pasture where there are many clear springs. The water of those springs is medicinal. You must go before dawn or before the sun rays touch the mountain tops. As soon as you reach that spot, fill this pitcher with the water of the spring. There are also various kinds of flowers. Those are also medicinal in value. When you reach there, you will see a black bird. You should dismount your horse and just watch the bird. It will peck upon the yellow, red, blue and purple flowers. As soon as it pecks upon the flowers, you must collect those and put them into this sag. Thereafter, the bird will drink water from the three springs. You must collect one spoon of that water from each spring. Then the bird will sit upon three trees - a golden tree, a turquoise tree and a medicinal tree. You must cut one stick from each tree and then carrying all these things, return.

When Bizba reached the valley, he truly found the clear springs, the various kinds of flowers and the three kinds of trees. As soon as he dismounted his horse, a black bird began to peck upon the flowers. Thereafter, it flew over to the spring and drank the water. Then it flew again and sat on the tree branches. Bizba collected some flowers from amongst all kinds of flowers. Then he collected a spoonful of water from all the springs. Thereafter, he cut three sticks from the three

kinds of trees. By lunch time, he came back carrying all those things. Then the old man asked him, "O boy! Did you find those things?"

Bizba said,

"Yes, Grandpa! I saw those things and I collected the flowers and the water from the springs, and the three sticks from the three trees."

Thereafter, they had their lunch and then began to grind those flowers in a mortar. It was put into a copper vessel and the magical water was poured over it and a paste made. Then the old man applied that paste on the rotten side of Api Tso and it healed overnight. Similarly, it was applied to the horse and the wounds of the horse also got healed in no time.

Api Tso gave some ashrafis (gold coins) to the old man as a reward. Similarly, Bizba also gave some ashrafis to the old man.

Thereafter, both Api Tso and Bizba proceeded further. When they reached the spot of the bridge, they ordered all the wild sheep and the fish to assemble to build the bridge. So, all of them came and built the bridge immediately. Thereupon, they crossed over the bridge.

Api Tso instructed, "O Bizba, keep this flower with you. If something bad happens to me then this flower will wither away. You must come for my help. Or if something wrong happens to you, then I will come to rescue you."

Saying this, Api Tso proceeded towards Aha Yul, while Bizba returned to Sher Ali Kacha. There was a path along the river bank. Api Tso saw a monster with nine heads at the end of the plane. He was resting his heads on a mountain. Only one head was awake and watching the path. The other heads

were fast asleep. It was impossible to go ahead in the presence of the watchful eyes of the monster. This monster was a sentinel in the path to Aha Yul. The behemoth used to sip flying birds while breathing in. So, Api Tso thought that he should not go further. Instead, he should talk to the monster. Thus, he said,

"Aha ha ley aha! There is an ogre stretching over the entire plane!
Aha! The nine-headed ogre is occupying the entire mountain!
Aha ha ley aha, O uncle, we will become father and son!
Aha ha ley aha, so long my uncle is alive, I will look after you.
And so long my uncle is alive you will take care of me.
Aha ha ley aha! Please tell me about the path to Aha Yul.
Aha ha ley aha! I am coming from Sher Ali Kacha.
And I am going to Aha Yul. Aha ha ley aha!
There is a boy at Sher Ali Kacha.
And I am going to fetch a bride for him1
Aha ha ley aha!
They say that there is one PalikiMandok Cho Cho.
Aha ha ley aha!
They say there is one Gul Handan Cho Cho in Aha Yul."
Thereupon, one head of the monster which was awake replied,
"O child! O worm of a human being! You are a witless person.

O lone man with a lone horse, you are a very lazy person.
When I see the horse, it is not bigger than a beetle!
When I see the man, he is not bigger than a thumb!
But your boasting is greater than a mountain!
Your pride is greater than a rock!
Your luck seems to be very little!
Your destiny seems to be very small!
O man! Preserving your own life, you must go back,
To your own country!
Mounting upon your own horse, you should go back
To your own country!
The way to Aha Yul cannot be found without a cost!
The country of Aha Yul cannot be discovered without a cost.
I, the ogre, the sentinel, will not allow a bird to go there!
I, the ogre, the sentinel, will not allow an insect to move!
If I eat you, it will not even fill the gap in my teeth!
Should I drink you, it will not be a sip for me!
So, you cannot know the way to Aha Yul.
There are many sentinels and man eaters in the path to Aha Yul.
There are the sentinels of Danmo Rhokker,
Short tailed wolves and snow leopards!
I am the head of all the monsters!
Nobody has ever gone to Aha Yul or ever crossed this path!
Even the birds flying in the sky cannot pass this point!

Since, you addressed me as your uncle,
I gently tell you to go back.
Otherwise, if I devour you, it will not even fill the gap in my teeth!"
Upon this, Api Tso replied,
"O my uncle, monster with nine heads! Please listen to me!
You and I will live like uncle and nephew.
If you become old and weak, I will look after you.
If I become weak, you will take care of me.
I have to and must go to Aha Yul.
If you think to devour me, even then I will not go back.
If you do not consider it a sin,
Then you may eat me, uncle.
If you do not take pity on me
Then you may drink me, uncle."

The monster was about to sip him in when Api Tso took his spear and holding it in his hand, mounted upon his horse. Then the monster sucked Api Tso along with the horse and devoured him. But because of the long spear, the monster could not close his mouth. Thus, both Api Tso and his horse could breathe. They remained alive in the body of the monster. Then Api Tso drew out his golden eyed sword and began to cut the rib of the monster. The monster drank water with his nine mouths, flooding his body. But water came out from each cut. Thus, both the man and the horse remained alive.

Upon this, the monster spoke thus,
"O man! You who sit within me! I apologize to you as I

did not understand that you were a brave knight. If you are gracious enough then please do not kill me. If you are kind enough, please let me go. So long I will be alive, I will serve you. Taking you along with me I will go to Aha Yul. Both of us will fetch PalikiMandok Cho Cho. Both of us will fetch RdongGuma Cho Cho. We will go to fetch Gul Handan Cho Cho as well. Yes, both of us will go fetch these three princesses. Yes, I will show you the path to Aha Yul. Yes, I will serve you, O nephew. If you let me go, I will give you a reward and you will get the country of Aha Yul, free of cost."

Thereupon, Api Tso replied from inside the body of the monster,

"O uncle monster with nine heads, listen to me!
O uncle monster just hear me out!
Prior to this, I had made a request to you.
But you acted mean and strong headed!
In the present moment, I do not think,
I should spare and let you go.
In your body, there is a huge playground
Fit for a horse race!
The polo ground of the quarts is no longer than this!
Even the polo ground made of turquoise is not
Longer than this!
Now, I will play polo in the upper half of the ground
And then play it down.
O uncle! If I want to eat, then there is
The tastiest full meat of your liver!
O uncle! If I want to take it, then there is
The most delicious meat of the lungs of an ogre!
If I like to play with a hockey stick, then there is this

Bend of intestines in your body!
If I like to play polo then there are
Kidneys in your body for it!"

Saying this, he made his horse gallop inside the body of the ogre and stroked its heart and liver with his sword. The ogre began to fall to the ground. Api Tso cut an opening in the side of the ogre and came out from it safely. Then he burned down his body and threw the fine particles into the air and threw the coarse particles into the river.

Thereafter, he proceeded towards Aha Yul along the bank of the river. After some time, he saw seven damsels on an island in the middle of the river. He thought that he should ask them about the path to Aha Yul. He said,

"Aha ha ley aha! I see seven damsels on the bank of the river!
O seven Lhumos! Please listen to me.
O acheyLhumos! Kindly hear what I say!
O my sister Lhumos! Where is the way to Aha Yul?
I am a passenger from a far-off land.
I am going to fetch Paliki Mandok Cho Cho!
I am going to fetch Gul Handan Cho Cho!
As I am a stranger in this land, please guide me
And show me the way to Aha Yul."

Thereupon, one of the Lhumos replied,

"You from the country of men! Listen to me -
The way to Aha Yul cannot be found by you!
There are the sentinels of lions with open mouths!
There are the sentinels of bears with white throats!

There are the sentinels of wolves with short tails!
There are the sentinels of the old leopard with black and white fur!
There are the sentinels of many ogres and man-eaters!
There are the sentinels of the ogress Zangi in the way!
Now that I see it, your body looks fine and strong.
But if you are eaten by them, then it would be very sorrowful.
No flying birds have ever gone to that country.
No kind of insects have ever crawled into that country.
It is better you return to your country, sparing your life.
It is better if you go back to your home, riding your horse."

Thereupon, he mounted his horse and then said,

"O my foal of the wild ass! Just listen to me!
O my great horse, Norbu Chip Chen, hear what I say!
I will strike you with my Alvon whip three times,
Then you must gallop and reach the mountain top.
With another galloping, you must reach
The junction of the three valleys.
And then again galloping, you must reach
Up to the high mountain lake.
With another galloping, you must reach the high mountain.
Doing this, the mountain range will shake up a little.
Doing this, the rocks in the east will move a little.

Doing this, the river will shake up and down.
Doing this, the river will fill up to the brim."

Saying this, he whipped his horse three times and the horse began to gallop at full speed. It reached the top of the mountain and the rocks began to shake. Then it reached near the mountain lake and the lake began to shake. When it reached the junction of the three valleys, the valleys began to shake. When it reached near the river, the river began to tremble and its waves flooded the seven Lhumos. Thereafter, the horse landed on the bank of the river.

Thereupon, one of the Lhumos exclaimed,
"O father king! Please listen to me!
O my great warrior! Hear what I say!
Though the country of Aha Yul is unconquerable,
But it seems you can conquer it.
When your horse was galloping,
The high mountains began to shake.
The water of the great river began to tremble.
The way to Aha Yul is from the right.
Then you may find a path of red soil stretched ahead.
Thereafter, a path of blue soil is stretched ahead.
And then, there is a path of golden soil.
When you go beyond this, a path of lacquer you will find,
And thenceforth, a pass of lacquer will come.
On the top of the lacquer pass, there is a palace of lacquer
Called Laldong Khar.
In that palace, there is Paliki Mandok Cho Cho.

And in that lacquer palace, there is also Gul Handan Cho Cho.
One of the Rajas of that palace is called Hassan Mandil.
He has got a daughter named Paliki Mandok Cho Cho.
The name of the other Raja is Hussain Mandil.
He has got a daughter too.
She is Gul Handan Cho Cho.
If you proceed still ahead from there,
Then you will reach the country of Aha Yul.
In the country of Aha Yul, the Raja is Gangs Singey.
Gangs Singey Raja has also got a princess of utmost beauty.
In the high mountain, there is an ogress, Zangi
And on the top of the pass, there is an ogress, Choro.
Though these sentinels are there yet you seem to
be Brave enough to defeat them.
The princess of the Raja has a nice face.
She has a bright star and the Luh Tura Nakpo (The king of underground spirits) sits beneath her feet.
Her shoulders are adorned by the protective amulets
Of the great lamas!
She wears the Norbu Konljag around her waist.
You may go there."

Upon this, Api Tso gave them some *ashrafis*. The lhumos were very pleased and gave him one slice of bread each.

"O father king! These seven slices of bread are food for

your journey. These will last up to Aha Yul and then back to your home."

After traveling for some distance, he put a piece of bread in his mouth. As soon as he tore a piece, it magically regained its shape and was full again. So, he deduced that one slice of bread would last for one month. In this way, he travelled ahead and reached the top of the lacquer pass. There were two palaces on the foot of the lacquer pass. Then he reached near the palace of Hassan Mandil. The doors and windows of the palace were not visible. He thought he should call out. Maybe somebody will answer his call? Thus, he said aloud,

"I see a palace which has no doors and windows.
I was told that this palace belongs to the Raja Hassan Mandil.
O Raja Hassan Mandil! Would you please come out of your palace?
I am a traveler from a far-off land.
In the palace of Sher Ali Kacha, there is a boy.
The name of the boy is NimaldeBullde.
I have come here in search of a bride for him.
I will pay the bride price beforehand and
The marriage party will follow.
The eighteen members of the marriage party are
About to reach!
The eighteen members,
Adorning white garments are about to come!
There is everything in the sag of Chung Paley (refers to a legendary figure in whose sag everything could be found)

There is a hand of a coral about to wave,
That will be given as a bride price to your beautiful daughter.
There is a magical dog of copper about to bark,
That will be given as the bride price.
There is the round mortar of turquoise about to pound,
That will be paid as bride price.
There is a magical boy made of seashell about to speak,
That too will be given as a bride price.
All types of jewels have been brought;
There is a ball of woven pearls
That will be given as a bride price.
There is a magical lamb of sea shell about to shear,
That will be given as a bride price.
The cost of rearing and nourishing the princess
Has been ascertained and the marriage party is about to reach!"

Upon this, Hassan Mandil came to the window and replied,

"O lone man with a lone horse! Listen to what I say!
Even if I agree to give my daughter in marriage,
I cannot do so in the absence of her maternal uncle.
Even if I like to give her, I cannot do so in the absence of her maternal aunt.
In the interiors of the valley to the left,
The aunt lives.

Carrying some phok and phektat you must go there,
Inviting her to the wedding!
In the absence of her aunt, who will escort the bride?
Therefore, it is important to invite her here.
When the aunt of the daughter arrives,
I will give you the bride."

Thus, Api Tso went into the valley in search of the aunt of the bride. After traveling for some time and having crossed nine valleys and nine mountain passes, he arrived at the junction of three valleys. From there, he saw that an ogress, Rhinmo Zangi, had been sleeping on the top of a mountain. One of her breasts was placed on the eastern mountain and the other one was placed on the western mountain and her head was resting below three hills.

Api Tso thought, "Oh! They have sent me here to be eaten by the ogress and not to fetch the aunt of the bride."

However, he addressed the ogress in this manner,
"On the top of the mountain, I can see the aunt of the bride.
Raja Hassan Mandil has sent a message to you, aunt.
Since, the cost of the bride has already been assessed,
And the marriage party is also about to reach,
He has requested you to come for the marriage of his daughter,
Carrying with you the dowry for the bride!
In the absence of the auntie of the bride,
There is no one to escort her, he says.

O aunt! Please come to the Lachi Palace."

Thereupon, the ogress raised her head and said,

"Aha ha ley aha! You small man with your small horse!

Listen to me!

O lone man and the lone horse! Just pay your attention to me!

Aha ha ley aha, I do not know Hassan Mandil!

Yes, I do not know that buffoon Hassan Mandil!

Aha ha ley aha, if I devour you,

Then it will not even fill the gap in my teeth!

And if I suck you into my mouth,

Then it would not be a sip for me!

Aha ha ley aha! It is better for you to go back to your home,

Saving your life!

It is better for you to go back to your country,

Riding your horse!

Aha ha ley aha!

I see this man; he is not bigger than a thumb!

I see his horse, it is not bigger than a beetle!"

To this Api Tso replied,

"You ogress Zangimo, I thought you were not an ogress.

If you like to devour me, it is up to your sweet will,

If you like to sip me in, it is also up to your sweet will.

I, the lone man and my lone horse, have no need to go back."

The ogress raised her head. Api Tso said to his horse,

"O foal of the wild ass! I will tell you three words!

O my great horse! I will tell you three things!
When I strike you with the whip,
You must leap towards the mountain top.
Then I will strike my sword upon the chest of the ogress.
When I strike you with my whip again,
You must leap towards the pasture land,
Then I will strike my sword upon the chest of the ogress.
When I strike you with my whip the third time,
You must leap towards the junction of the three valleys.
Then I will cut off the head of the ogress, Zangi.
O my horse, the foal of a wild horse! I know that you have the stamina to do so!
O my horse, Chips Chen Nurbo!
You have the capability to do so!"

As soon as he struck his horse with the whip, it leapt towards the mountain top. Api Tso struck his sword again and cut the right breast of the ogress. When he hit his horse yet again with his whip, it leapt towards the pasture land. Then Api Tso raised his sword and cut off her other breast. Again, he whipped his horse and it leapt towards the junction of the three valleys. He raised his sword and cut off the head of the ogress. She fell down into the valley and died.

Api Tso then skinned the ogress and filled it with straw. He put the stuffed skin upon his horse and came back to the palace of Hassan Mandil. Throwing it on the roof of the palace, he again called Hassan Mandil,

"O Hassan Mandil, please come to the window! I have

brought with me the aunt of the girl and she is basking in the sun on the roof of the palace. Now, if you would like to give the bride to us, then please know that her marriage party is about to arrive."

Hassan Mandil climbed atop the roof of the palace and he saw the stuffed body of the ogress, Zangi. Then he came upon the window and said,

"O lone man and his lone horse! Listen to me!
O brave man, listen to what I say!
Even if the aunt of the girl has reached, we cannot give the bride to you for her maternal uncle is absent.
Therefore, you must go into the catchment of the valley to the right.
The maternal uncle of the girl resides there.
Go and tell him to come for the marriage of my daughter.
Carrying the seven garments, he must come for the marriage.
Carrying the dowry of the girl, he must come for the wedding.
And tell him that the marriage party of Paliki Mandok Cho Cho has already arrived.
Without the maternal uncle of the girl the bride cannot be sent."

Thus, Api Tso again went into the valley to the right to fetch the maternal uncle of the bride. After traveling for quite a distance, he reached the base of a mountain. From there, he saw an ogre called Churu Lugu sleeping upon a mountain top. One of his legs had been resting on the eastern mountain

and his other leg, on another mountain.

Api Tso addressed the ogre in this way,

"Lying upon the mountain top, there is the maternal uncle of the girl. Covering the whole mountain range, rests the maternal uncle of Paliki Mandok Cho Cho.

O uncle! The Raja Hassan Mandil has asked me to convey to you that the bride price of his daughter has already reached his palace.

And the marriage party of PalikiMandok Cho Cho has also arrived.

The marriage feast of the girl has been fixed for today or tomorrow.

You have been invited to come attend it.

You have been told to come, carrying seven garments for the bride.

O uncle! Let us go for the wedding!

O uncle! I will accompany you to the marriage feast.

I will put half of the items on my horse back.

Let us proceed to the marriage party now!"

Thereupon, the ogre raised his head and said,

"O worm from the world of human beings!

O lone man and his lone horse! Listen to what I say!

O lone man with a lone horse, you seem to be a fool!

O lone man with a lone horse, you seem to be a mean fellow!

I do not know of any Lachi Laldong palace!

I do not know any Hassan Mandil!

Neither am I the maternal uncle of the Paliki

Mandok Cho Cho,
Nor that of Gul Handan Cho Cho!
I am the king of the high mountain!
I am the chief of the high planes!
My name is Dud Churu Lugu.
If I eat you up it will not even fill the gaps in my teeth!
If I drink you, it will not even be a sip for me!
When I look upon the man, it looks not bigger than a thumb!
When I see his horse, it is not bigger than a beetle!
When I see your boastfulness, it is greater than a mountain!
When I see your luck, it is not bigger than a bird's droppings!
Saving your own life, it is better that you go back!
Riding your horse, you must return to your home."

Then Api Tso replied,

"O maternal uncle of the girl, listen to these few words!
O Dud Churu Lugu! Listen to what I say!
If you like to eat me, it is up to your sweet will.
If you like to drink me, it is also your will, uncle.
I am not one to go back!
I am not a person who would flee."

Thereupon, the ogre wanted to suck the man along with his horse. But Api Tso said to his horse,

"O my horse, Chips Chen Norbu, listen to my words!

O the foal of a wild ass! Listen to what I say!

I will strike you with my Alvan whip three times.

With this, you must gallop and leap over the top of the mountain.

Then I will cut off the head of the man-eater ogre.

Again, I will strike you with my Alvan whip three times.

With this, you must gallop and leap over to the lake in the high mountain.

Then I will cut off an arm of the man-eater ogre."

Thereupon, again his horse leaped out to the junction of the three valleys and Api Tso cut off the other arm of the monster. Thus, the monster was killed. He skinned off the ogre and stuffed it with grass, straws and chaff. Then he loaded the stuffed skin upon his horse and again reached below the palace of Laldong Khar. He threw it on the roof of the palace and called:

"O Raja Hassan Mandil, please come to the window!

O Hassan Mandil, now listen to my words!

The maternal uncle of the girl has reached the roof of the palace!

Carrying the Gos Chen Rdunpa, he has arrived at the roof!

If you are willing to give away the bride, then do it now!

If you are still not willing, then do not make any more excuses!

You will repent later."

But Hassan Mandil did not come to the window.

He did not even reply to his questions.

He recalled that the seven Lhumos had told him that there was another Aha Yul where Gangs Singey was the Raja, and that he resided in an ice palace. He had a daughter whose name was RdongRguma Cho Cho. Thus, Api Tso proceeded to this place.

After traveling for some time, he reached the head of a village where some people were playing a knuckle bone game. They were talking to each other saying, "Three days, three days." Some were saying, "one month, one month" and some were saying, "three months, three months." He asked them what they were doing but nobody talked to him. Api Tso thought that those people had decided not to speak with strangers. Walking for some more distance, he reached the house of an old crony. He asked her what she had been doing. But the old lady also did not reply to his question. He felt that she too had decided not to speak to him. He took out some bread and sweets from his pocket and began to eat it. The old lady stretched her hand for the sweet but he did not give it to her. Thereupon, he put her into an iron box and lit a fire to burn her down. When the box got heated up, the old lady began to cry,

"O boy! I hear the sound of a fire. Do you want to burn me down?"

Api Tso said, "Yes, old lady. I will burn you now."

The old lady replied, "O boy, I shall become the ransom for you. Please do not burn me. I will talk to you and do whatever you ask me to do."

Api Tso said, "Old lady, I saw some people who were playing polo and some were playing knuckle bone game. They

were talking among themselves saying, "Three days - three days, one month - one month." They did not reply to my questions. Tell me what is the meaning of all this?"

The old lady said,

"O boy, our village is the village of Duds. The meaning of their words is that you will be killed and your flesh will be eaten in three days or in one month."

Api Tso said, "Old lady, tell me where Gangs Singey reside?"

The old lady replied,

"When you travel for some distance from here, you will find a mountain of ice. You will see a plain pasture land below it. You must leave your horse there. A little above the pasture land, resides a blacksmith named Garba Nag Chung. You have to tell him to make an iron chisel and a bridle. Then you need to carry the dust of pine trees with you after burning the wood. Take your 18- mound scepter with you. Otherwise, Gangs Singey will eat you up. You must dig the ice with the chisel and then put the dust on it so that your feet may not slip while climbing the icy mountain. When you reach the middle of the glacier, strike the ice with your scepter. With this noise, Gangs Singey will come out. You should put the iron bridle into his mouth immediately. Otherwise, being a monster, he will devour you."

Api Tso thanked the old lady and gave a handful of ashrafis to her and proceeded further. After some time, he reached the door of Garba Nag Chung.

Api Tso asked Garba Nag Chung to make an iron chisel and a bridle for him. But the blacksmith did not say anything. Thereupon, Api Tso caught him by the neck and

dragged him into the burning furnace. Upon this, Garba Nag Chung spoke to him and requested not to put him into it. He agreed to do anything he wanted done through him.

Thereupon, Api Tso asked him to make an iron chisel and one bridle and also give him one hammer. Thus, Garba Nag Chung made these things immediately and handed them over to Api Tso.

He then left for the glacier. When he arrived at the green pasture at the base of the mountain of ice, he left his horse there. Then he collected some dust of the burned pine tree wood and wore an old shoe on his feet. After this, he began to climb to the glacier. When he reached the middle of it, he struck the ice with his sceptre. With this sound, the ice broke apart and a golden palace emerged out of it. Thereupon, Gangs Singey appeared out of it, roaring angrily. Api Tso immediately put the bridle into his mouth and leaped onto his back. Gang Singey began to fly into the sky but Api Tso struck his head with his sceptre. Thus, Gang Singey came down and landed upon the green pasture land. He spoke thus,

"O man, I did not know that you are that brave!
I apologize to you!
You seem to belong to a royal clan!
You seem to be the descendant of an ogre!
Therefore, bending my body three times, I seek your pardon!
O king! Whatever is your order, I will abide by it!
O brave man! Whatever you wish, I will fulfill it!"

Thereupon, Api Tso replied,

"O SingeyrGyalpo, now listen me.
I am a traveler and have come to Aha Yul,

My purpose here is to search for a bride for my son.
We are looking for a princess.
I am from Sher Ali Kacha and I am the chief of that area.
They say that you have a noble princess.
I was told that you have an excellent daughter.
They say that her name is RdongRguma Cho Cho.
I have an excellent son.
I would like to ask the hand of your daughter for him.
I would like to make your daughter the queen of Sher Ali Kacha.
If you give us the princess, then I will let you go.
If you do not give us the princess,
Then I will not be satiated eating your flesh.
If you refuse to give your daughter to us,
Then I would quench my thirst with your blood."

Upon this Singey rGyalpo agreed to give away the princess. Api Tso remarked, "O SingeyrGyaplo, I will keep you tied to this ice, till I go inside your palace to bring out the princess. It is because I doubt that if I release you before it, you may eat me up!"

Thus, he tied SingeyrGyalpo to the ice and went inside the palace. He found the mother and the daughter there.

Api Tso addressed the daughter, "O Rdong Rguma Cho Cho, I have come to take you as the bride for my son, Nimalde. I have caught your father and he is tied to the ice. He has agreed to give you away, to marry you to my son. Therefore, you must get ready, princess."

Thereupon, the mother said to her daughter, "Since you are going to another house, I will teach you three things.

O my Rdong Rguma Cho Cho, I will give you three pieces of advice though being my daughter you may not even need any instructions.

O daughter! You must go to an alien land!
O my princess! You must go to Sher Ali Kacha.
When you reach your new house,
Your father-in-law will give you a big piece of meat as your share.
But you must give half of it back to the father himself.
You must give half of the other half to the servant and to the shepherds.
So, it is one third of it you must eat.
Your mother-in-law in your new house may give you a big plate of food.
But you must give half of it back to the mother herself.
Half of the other half you must give it to the servants and Chunpas.
One third of your share is what you must eat.
O daughter! You should bear the entire burden like the base of a mill stone.
And you should be quick and swift in your actions like the Bishing of the water mill.
While talking to strangers, you must not reveal your secret."

Saying this, the mother said goodbye to her daughter and Api Tso came out of the palace. He reached near the base of the mountain of ice, where Singey rGyalpo was tied. He thought if he released Singey then, he may still devour him. Therefore, he proceeded with the princess without releasing him. After traveling for some time, they reached below the

Laldong Khar. Thereupon, Api Tso called Hussain Mandil:

"O Raja Hussain Mandil, you are asked to come out to the window of the palace and give me a reply. I am going back to my country. You may please come out with Paliki Mandok Cho Cho." But Hassan Mandil still did not reply.

Thereafter, Api Tso went below the other palace of Hussain Mandil and called thus,

"O Hussain Mandil, people say Gul Handan Cho Cho is your daughter.
O Hussain Mandil, I would like to ask the hand of your daughter for my son.
Whatever the bride price you may demand, I am ready to pay it.
If you ask for a bride party, then I will arrange the 18 baratis.
You may demand what is available in the bag of Chung Paly,
I will pay all types of Nurbos (Jewels) as the bride price."

Upon this, Gul Handan Cho Cho came out from the palace.

On the other hand, Paliki Mandok Cho Cho remained inside. Hassan Mandil did not respond to his call either. Therefore, Api Tso collected a huge heap of tinder grass and piled it around Laldong Khar. Then he called out to Hassan Mandil,

"O Hassan Mandil, listen to me! I have piled tinder grass around the palace and I am going to light a fire with my flint stone.

Your palace is made up of lacquer. So, it will melt

down from the heat."

When Api Tso stroked his flint stone and the tinder grass took fire,

PalikiMandok Cho Cho came out barefoot. Thereupon, Api Tso put Rdong rGuma Cho Cho and Gul Handan Cho Cho upon his horse as pillions and proceeded towards Sher Ali Kacha. PalikiMandok Cho Cho followed them on foot.

At first, they reached a plane ground called Lung Katu Sumdo and then SerpoThangi Thang rKil. Finally, they crossed SnonpoBrakbu and RzasaMarpoi Yul. Paliki Mandok Cho Cho still followed them barefoot. She addressed Api Tso,

"My feet burn in the sands of Magang Gang, Baba Cho!

If you would like to wear a moza (fine shoe), then please give me a simple shoe, Baba.

I apologize to you, Baba."

Upon this, Api Tso gave an old shoe to Paliki Mandok Cho Cho.

She said again,

"I feel tired in the sands of Magang Gang!

If you would like to ride a chestnut stallion, then please give me a pony, O Baba!

I feel hungry in this village of rZasa Marpoi Yul!

If you would like to eat butter bread, then give me some dry bread, O Baba!

I feel thirsty in the sands of Magang Gang, Baba.

If you would like to drink spring water then give me muddy water!"

Upon this, Api Tso gave her a pony that did not walk

straight, scaring her very much. He gave her dry bread and muddy water.

They reached the village of rZasa Marpo.

Once there, PalikiMandok Cho Cho felt humiliated. She requested Api Tso,

"In the village of rZasa Marpo, there are many friends and foes, Baba!

In the village of Parkuta, there are many friends and enemies, O Baba!

A marriage party for me is required!

A flutist and musicians are needed, Baba!

If there is no marriage party, people would think of me as the daughter of a miller!"

Thus, Api Tso decided to stay in Parkuta for a few days. He asked the people there to arrange a marriage party and musicians. The people of Parkuta responded,

"O Raja! We neither know how to play the surney nor how to beat the drum. We also do not know whether the two sons of Mon Panag can do it."

Thereupon, Api Tso went to the house of Mon Panag and peeped through the window. The two sons were sitting near the hearth stretching their legs.

Api Tso addressed them through the window,

"O sons of Mon Panag, do you possess the skill of your father, ta rara tang tang tang?

O sons of Mon Panag, do you have the skill of your mother,

Tulu lu tung tung tung?

If you have your father's skill,

more land will be allotted to you, ta rara tang

tangtang!

But if you don't,

Your property will be confiscated, tululu tung tungtung."

Thereupon, the two sons of Mon Panag came out carrying their musical instruments.

All the people of the village assembled there and a marriage party was arranged. Thus, they sang and danced for seven days and seven nights. But Api Tso did not give them anything. As such, the sons of Mon Panag played their surney in this manner:

"We are the sons of Mon Panag,

We played music for seven days and seven nights.

Yet from the windows of the store room, an old fox barks,

Ta rara tang tangtang!

In the cups of the Mons, drops of butter fall,

tululu tung tungtung!

Look how delightful is the marriage feast!"

In this way, Api Tso honored PalikiMandok Cho Cho. She was also given a horse and then all of them proceeded towards Sher Ali Kacha.

After some time, they reached a green pasture below a high mountain, called Ling Sang Sang Lahbrok. The famous Ling Khar rChergu of Lahbu Kesar was situated behind this mountain. Osay Bizba also reached there for their reception. Api Tso warmly met Osay Bizba and said,

"O Osay Bizba! My journey to Aha Yul took three years and three months. I could not sleep well during this

time. I want to take some rest here. You will take care of the Cho Chos, giving them food and drink." Saying this, he fell asleep like a monster!

In the meantime, in the Ling castle, Kesar rGyalpo came to know that Api Tso had brought three princesses from Aha Yul and that they were resting at Ling Sang SangLahbrok. Kesar mounted on a chariot and arrived at the place. He addressed Osay Bizba,

"O OsayBizba! Your Raja has brought three princesses from Aha Yul. People say they are the most beautiful damsels. Therefore, I am taking them to Ling Khar!"

Osay Bizba resisted but could not prevent Kesar from taking the Cho Chos to Ling Yul. Api Tso still slept like a giant. Thus, Kesar lifted the Cho Chos and put them into his wonder chariot, speeding for Ling Yul.

OsayBizba shook Api Tso violently to wake him. When Kesar was about to reach the middle of the mountain, Api Tso woke up from his sleep.

Meanwhile, Kesar was about to cross over the Saral pass.

Osay Bizba again shook Api Tso and said, "O Raja! Please wake up and look! The mean fellow Kesar came and took away the princesses!"

Api Tso raised his head and said, "O OsayBizba! Why are you disturbing me, telling me what has happened?" OsayBizba pointed to the empty space with his finger, indicating that Kesar had taken the Cho Chos and was about to cross the Saral pass.

Thereupon, Api Tso said loudly,

"O Gyapo Kesar! Listen to the words of this man!

O Lhonpo Kesar! Listen to what I say!
I had spent a long time chasing these princesses!
I had to struggle a lot for these damsels!
I fought with many monsters and man-eaters
And could not sleep during the nights!
I met many rhinphos and rhinmos and could not
Eat my daytime meals!
I had to spend three years and three months in Aha Yul!
Therefore, I request you to bring the princesses back!
I request you, Gyapo Kesar, to please let the Cho Chos return."

To this Kesar replied,
"Listen! My fortunes are increasing day by day!
My twelve treasure houses are filling day by day, listen!
Your palace has only one Rabsal (balcony)
While as mine has eighteen!
One Rabsal has got a hundred glass windows!
These three damsels are not suited to your palace.
But they are very much suited to my Ling Khar rStergu."

Upon this, Api Tso stretched his arm and lifted the chariot along with the Cho Chos and brought it back to the pasture. Then he caught Kesar and put him in his pocket and locked it, sleeping sound again.

Kesar requested Osay Bizba to open the lock but he refused to do so. He beseeched the three princesses to open it.

The two Cho Chos refused to do it. But Paliki Mandok Cho Cho opened it and Kesar fled away.

Soon Api Tso woke up and found that Kesar was running away. Again, he stretched his arm and brought him back. Thereupon, Kesar requested Api Tso to let him go. But he said, "O Kesar! I am taking you to Sher Ali Kacha where I am throwing a marriage feast. I will make you the head cook. You have to bring Cho ChoDigu (Kesars' spouse) too to fetch us water."

Kesar replied, "O Raja! I will surely come to attend the marriage feast. I will bring Cho ChoDigo also. But if I come empty handed, the old lady will think me very poor. Therefore, you should let me go now. On the appointed date, I will surely come along with Cho ChoDigu carrying some gift for the bridegroom and the bride."

Upon this promise, Kesar was allowed to go.

It is said that on the appointed date, Kesar managed to reach Sher Ali Kacha along with Cho Cho Digu. Thereafter, both Api Tso and Kesar lived as friends.

Some more folk Tales from Ladakh region.

(1)

The Wolf and the Fox

Once upon a time, there lived a fox and a wolf in the mountains of Khayul. Outwardly, they were fast friends. But the fox did not like the wolf for his ferocity and the wolf disliked the fox for his cunningness. Therefore, they avoided meeting each other face to face as far as possible.

When the summer season ended and the autumn season set in, cold winds started to blow, turning the green pastures into a yellow waste. The people from the lowlands took their cattle and livestock back to their villages, to be fed by them in stables in winter. With the onset of winter, life became very difficult for both the fox and the wolf. They seldom got anything to eat in these desolate mountains, to sooth their gnawing intestines.

One day, there was a very heavy snowfall in the mountains. Dark clouds gathered in the sky and snow began to fall incessantly for three days and three nights. The tiny hexagonal snowflakes accumulated on the ground. When the weather improved on the fourth day, there was three feet of snow on the ground.

The fox had been sleeping in a cave. He was very hungry. From the mouth of the cave, he scanned the area. All the mountain slopes and the valleys were buried under thick snow. Not a single black spot was visible in the area. Dazzling white snow shone everywhere.

"What should I do now? I have not eaten a single morsel since last four days. It is impossible to get anything edible in this thick snow!" He thought.

The fox had a very sharp sense of smell and he was proud of it. He thought, "I must go to the river bank, where I shall search for something to eat in the thick forest of sea buckthorns. I may get a red legged partridge or a swift footed hare in the bushes."

So, he went to the river bank, walking cautiously on the soft snow. When he reached the river bank, he found a tract which vanished into a thick bough of the sea buckthorn.

Guided by his sharp sense of smell, he penetrated deep in the bush. Lo! There he found an old hare in deep sleep, lying upon a straw bed. The fox went near the hare surreptitiously, saliva flowing from his mouth. Summoning all his strength, he put his sharp teeth upon the throat of the hare. Warm blood gushed into his mouth soothing his hungry stomach. The hare desperately tried to pull out its throat from the strong jaws of the fox but in vain. The fox became very happy. "I shall carry the prey to my cave where I would eat the soft delicious meat of the hare leisurely", thought the fox. Then carrying the prey upon his shoulder, he walked slowly towards his cave.

Meanwhile, the wolf was also very hungry. He too had come out from his cave in search of food. From the

promontory of a hill, he saw the fox carrying the carcass of a hare. He thought, "These foxes are very clever. They manage to get something to eat even in such horrible weather. I shall go and try to snatch the prey from him. Otherwise, I will die out of starvation." So, he went straight to the fox. "Good morning, friend! You are lucky to have found a prey in this snow."
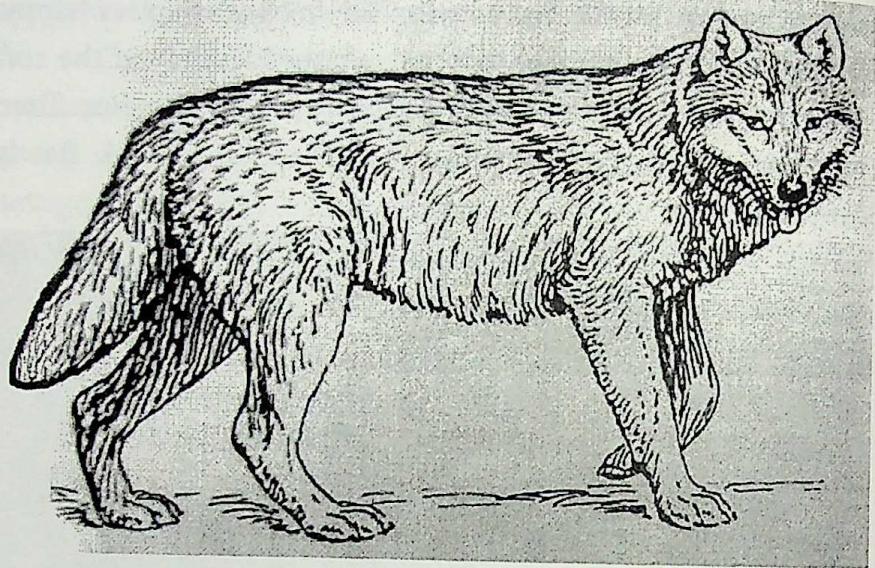
"Good morning", replied the fox. But he became nervous on this unexpected encounter with the wolf. The latter first sniffed the hare and then licked a few drops of its blood. He said, "Aha! It looks so delicious. I have been hungry for the last three days. I hope you will not mind if I take it to my cave to eat it leisurely." With beseeching eyes, the fox replied, "Brother! I have not eaten a morsel out of it. Let us divide it fifty-fifty." But the wolf did not agree to do so. He said, "My dear friend, you have got a very sharp nose. I am sure that you will get many more in the bush. We wolves have got no sharp sense of smell. I will get nothing in such thick

snow and may die out of starvation. I will repay the debt when the snow melts." Saying this, he took the prey in his strong jaws and left for his cave. The fox remained on the spot for some time. With a heavy heart, he went to his cave and wept bitterly. He vowed to take revenge from the wolf and teach a lesson to him.
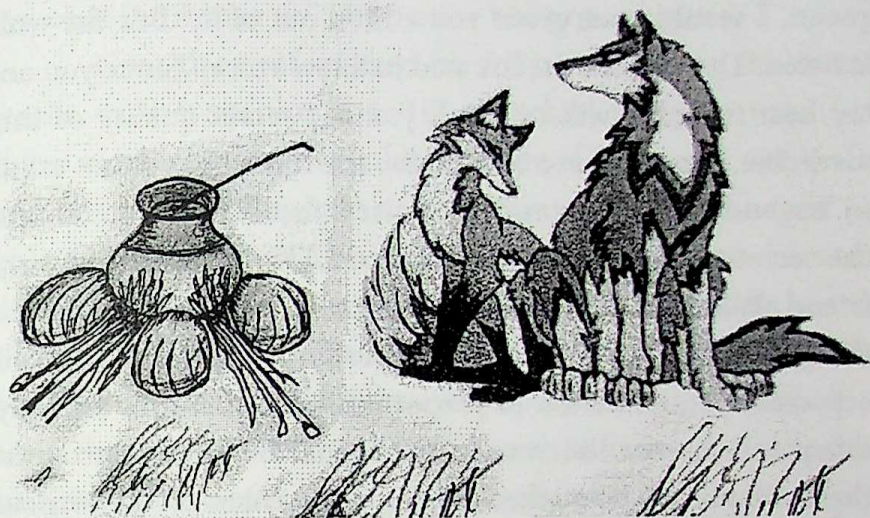
The winter months passed by and the snow began to melt in the mountains. Fresh grass began to sprout from the ground. The snow cocks started to call from the mountain tops. One day, the fox went to a spot from where he could see the wolf's area. He collected some fuel and lit a fire. Then he began to cook a broth in a pot. The wolf saw the fox and came over there. "Good morning, friend. What are you doing here?" "Stay away! Please, stay away lest you may spoil the medicine by throwing dust into it. I am preparing medicine for the queen's eyes", replied the fox. The wolf became curious about it and said, "My dear friend, tell me what ailment this medicine is useful for?" But the fox said, "Please stay afar and do not come near it. I am preparing this on the special

request of the queen. I cannot spare even a drop of it for anyone." The wolf became more curious about the concoction. He asked the fox again, "My dear friend, I know you are very wise and skilful. Please tell me about the special quality of this medicine." The fox replied, "No, I am sorry. I cannot tell you about this, my friend. Had it not been for the queen, I would have given you a little out of it." But the wolf insisted. Thereupon, the fox said in a low voice. "Since you are my best friend, I will only tell you the secret quality of this medicine. But you have to promise me that you will not tell it to anybody else." The wolf promised that he will not reveal the secret to anyone. Then the fox said, "Now, listen to me my friend. Whosoever applies this ointment to his eyes, will see the seven paradises that are invisible to our eyes. The queen especially requested me to prepare this ointment for nobody except me knows the various medicinal herbs that grow in these mountains. She asked me to collect them for boiling, to prepare this ointment. Now that I have told you the secret quality of this preparation, please do not ask me to give you a little."

The wolf was carried away by the enchanting thoughts of seeing the seven paradises. He could not resist asking the fox to apply a little medicine to his eyes. The fox stirred the gruel with a stick and applied a drop of it on his forefinger and pressed his thumb. It had become very sticky and was ready. With an air of reluctance, he said to the wolf, "If you still insist my friend, then I will apply a few drops of this medicine to your eyes. But remember one thing that you have to keep your eyes closed till the ointment is dried up. Otherwise, you will not see the seven paradises. The wolf

agreed and the fox applied the gruel upon the closed eyes of the wolf. Within a few minutes, the gruel dried up. The fox smiled and said, "Now, enjoy the enchanting views of the seven paradises, my friend. I have a little work at home. I'm going to attend to it. Good bye!" The wolf said, "Dear friend, I did not see anything. I cannot even open my eyes. Please tell me what the matter is." But the fox had already gone.

Now, the wolf realized his folly in believing the sweet words of the cunning fox. He scratched his eyes with his sharp claws in vain. With his eyes glued, he could not walk and ended up falling into a ditch. Somehow, he managed to pull himself out. Walking slowly, he thought that he was deceived by the fox. When he reached near the river, he heard the voice of a donkey. He shouted in that direction saying, "O brother donkey! Please help me". Upon hearing the call of a wolf, the donkey was frightened. But then he realized that the wolf was in a real trouble. He came closer to him and asked, "What is the matter with you, master?" The wolf narrated his tale of woes. Thereupon, the donkey came much closer to the wolf and kicked his forehead with all his might and then ran away. The wolf reeled in pain. At last, the wolf threw himself into the river, thinking that it was better to die in the river than to face humiliations at the hands of his enemies. The glue was moistened when he touched the water. He could open his eyes again. He swam to the bank of the river and breathed a sigh of relief. He swore to take revenge from the fox.

The wolf was in search of the fox. One day, he found it on the top of a mountain. The fox had been busy weaving a large wicker basket, sometimes going inside it, and then
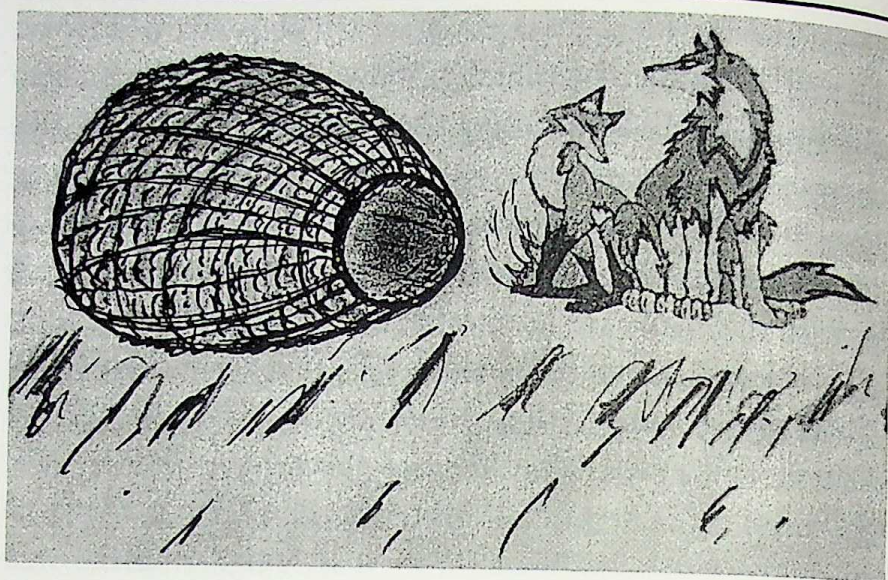
coming out of it. When the wolf approached the fox, he said nothing but kept himself busy in his work. The wolf boiled with anger. He roared in a loud voice, "At last, I found you! This time I will not let you go!" But the fox answered calmly, "My dear friend, forgive me. What I have done to you was simply a joke that I will not repeat in my life. Please forgive me and let me do my work. I am weaving a magical basket. Whosoever goes inside the basket, can travel at the speed of wind." Although the wolf got interested in the magical basket, he said, "I cannot believe your words this time. By the way, why are you weaving this basket?" The fox replied, "Look my friend, I have to travel a lot in search of food. I get tired. Now, I am weaving this basket for it will fly in the air and carry me wherever I would like to go." The wolf looked at the magical basket with wishful eyes. He thought that the basket was a very useful object and said, "My dear friend! I will forgive you for that awful prank. But please let me go inside the basket and travel a little distance. If it works, as you say then you can

weave another basket for me."

Reluctantly, the fox allowed the wolf to go inside the basket and then, hurriedly closed the lid. The wolf was trapped in it. He said, "Now, tell me how the basket flies." The fox pushed the basket from the top of the hill. It began to roll down the mountain slope. When it gained momentum, it began to fly in the air, then coming down on the ground crushingly and again flying in the air. The wolf was spinning inside it. When the rolling container reached down in the valley, the wolf came out of the broken basket with many broken limbs. Every part of his body ached. He cursed himself for believing the words of the cunning fox and swore that he would skin off the fox alive if he saw him again.

When his wounds were healed, the wolf went out again in search of the fox. Boiling with rage, he searched for the fox in every nook and corner of the mountain.

One day, the wolf had been walking along the bank of a river in search of food. He saw the fox filling a bag with fine sand. He roared and said "You scoundrel and deceiver, I will not let you go this time! You had almost tried to kill me!" But the fox replied meekly, "Brother, forgive me. I am really ashamed of what I have done to you. I will fully compensate you for all the wrongs done by me. Now, listen to me, my brother. This sand is full of gold pieces. If we could take a bag full of sand to the village and give it to the villagers, then they will sell many goats and sheep to us in lieu of these gold pieces. If we could achieve this task easily, then why should we always roam in the mountains in search of a few morsels of food? This sag is very heavy because of the gold pieces and I alone cannot carry it to the village. The wolf liked the idea

very much. "Life would become very pleasant if the plan worked." He thought. But he hesitated believing the words of the cunning fox. He said, "No, no, you will not be able to deceive me this time, you liar!" But the fox was so eloquent and sweet tongued, that he was able to convince the wolf to become his partner.
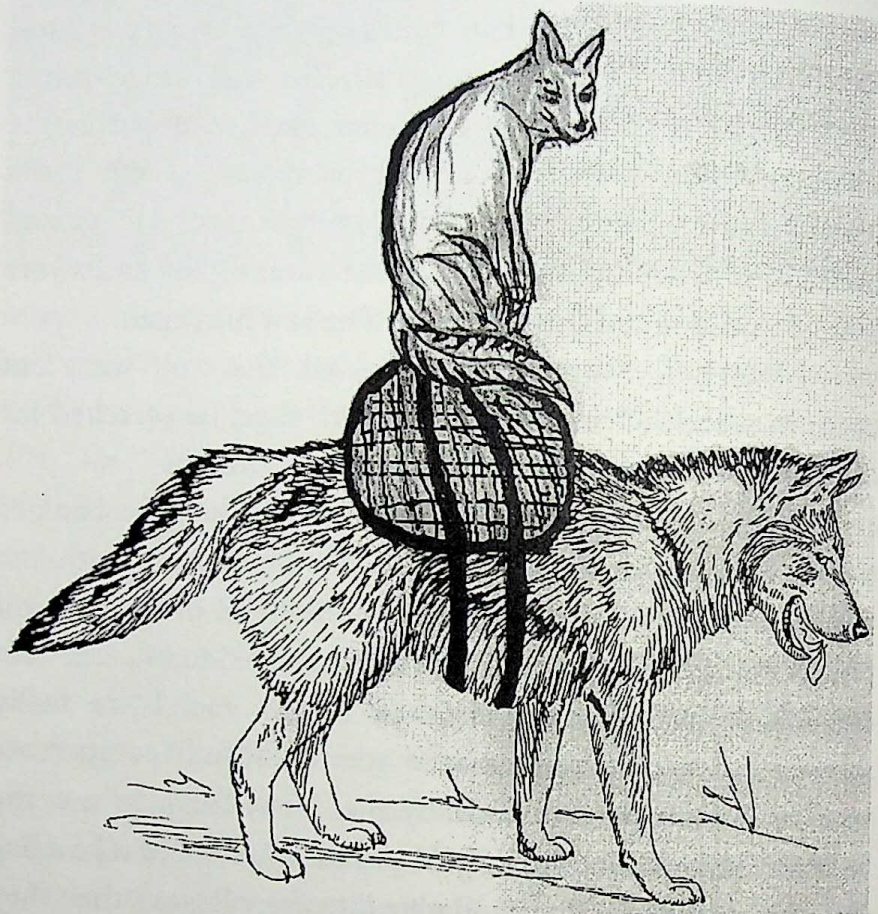
He loaded the sag full of sand on the back of the wolf and tied it firmly with the body of the wolf with a rope. Then he mounted upon the load and they proceeded towards the village. Occasionally, the fox called aloud saying, "O people! Is anybody willing to sell their goat and sheep in lieu of gold

pieces?" When the people saw that a wolf was carrying a bag full of load on his back and a fox was sitting atop it, they called each other and came running with cans and sticks in their hands and shouted, "Wolf...Wolf! Kill him! Do not spare him!" "Yes, it is the same wolf that killed my spiral horned goat!" yelled a man. Another man shouted "Do not let him go, he had killed my black necked ram last year!" When the people approached near, the fox jumped from the back of the wolf and dashed towards the mountain. But the poor wolf could not run fast as he was tied to the heavy load on his back. He received a good thrashing at the hands of the angry villagers. With great difficulty, he somehow extricated himself from the heavy load and fled towards the mountain, his nose bleeding and his limbs aching.

(2)
The Wild Yak and the Weasel

Once upon a time, there lived a weasel near the bank of a river. She made her nest under a thick grass near the water. Then she gave birth to four babies. A massive wild yak was also living in that area. He used to come often to the river to drink water. The weasel was very anxious for the safety of her children on this account. One day, she approached the wild yak and said,

"Uncle Yak! I have come to inform you that I have
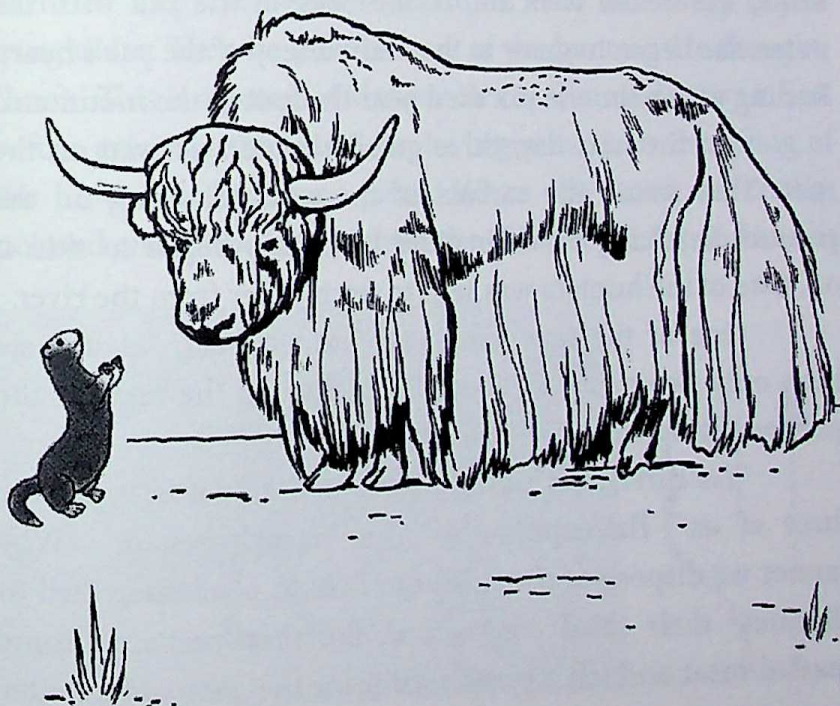
built my nest in the grass near the water. Please take care while you go for drinking water, lest you may trample my children under your large hooves."

The wild yak replied smilingly, "No problem, baby, do not worry. I will take care." The yak was so big that when he moved in the mountain, stone slabs would be crushed under his feet.

One day, the yak again came to drink water. He had forgotten the request of the weasel and walked carelessly. He trampled her children in the grass. In the evening, when the weasel returned to her nest, she found her children dead. She wept bitterly the whole night and vowed to take revenge from the wild yak.

Once, when the wild yak came to drink water again, the weasel hid herself in the grass. When the yak began to drink, the weasel went into the belly of the yak with the water. She began to gnaw at the main artery of the yak's heart. Reeling with pain, the yak died near the foot of the mountain.

On the next day, three greedy hunters arrived on the spot. They found the carcass of the wild yak lying on the ground. Rejoicing on their good luck, they began to skin it off. One of the hunters was sent to fetch water from the river.

One of the two remaining hunters said, "Had there been only two of us, we could have divided the meat of the yak equally between us." The other one said,

"Yes surely, but now we have to divide it between the three of us." Thereupon, the other one suggested. "Why cannot we dispose of the third one?" Both of them agreed to eliminate their third companion. So, they prepared some roasted meat and left a portion of it for the companion, after

putting some poison in it.

The third hunter who had gone to fetch water from the river thought, "If I could kill the other two fellow hunters, then the whole meat would be mine." So, he also put some poison into the water and carried it for his fellow hunters.

One of the two hunters said, "Here is roasted meat for you brother, take it." Saying this, he placed the meat before him. The third hunter took the meat and died on the spot. Rejoicing on the success of their plan, they made tea using the water brought by the third hunter. They took the tea and died because of the poison.

On the next day, a fox reached the spot. He saw the carcass of the big yak and the dead body of the three hunters. He became very happy and said to himself, "Let me find out whether there is any dangerous object here that can cause harm to me." He began to examine each and every object lying there. Then he saw the bow of the hunters. He thought, "Look! This is a potential danger for me. I must destroy it first before enjoying the feast." So, he began to chew the string of the bow with his sharp teeth. When the string broke, the pointed end of the bow pierced the chest of the fox and he too
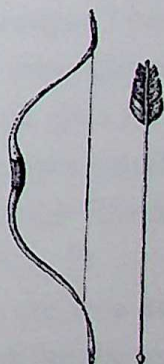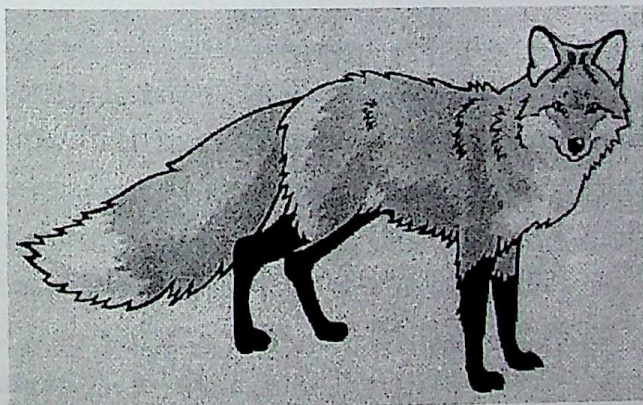
died on the spot.

Therefore, the wise people say,

(1) The weak one should stay away from the path of the mighty one.

(2) The mighty one should take care of the weak one.

(3) One should never be greedy like the three hunters.

(4) One should not be overcautious like the fox.
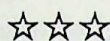
(3)

The Fox and the Duck

Once upon a time, there lived a silly crow on a juniper tree near a river bank. When the snow began to melt in the mountains and the leaves began to sprout on the willow trees in the villages, the crow laid four eggs in her nest. She kept these eggs close to her chest and began to hatch them. After twenty-two days, four chicks emerged out of these eggs. The crow was very happy.

One day, a fox saw the nest of the crow on the juniper tree. He heard the chirping of the chicks. The juniper tree was very tall and the nest was beyond his reach. "How can I reach the nest?" The fox thought. He tried to climb the tree in vain. At last, he made a knife out of juniper wood and thought, "I must somehow, befool the crow."

Thus, taking the knife in his hand, the fox went under the juniper tree. The crow was sitting in her nest. He said, "O Sister Crow, give me a chick to eat as I am very hungry. I have not eaten anything for the last three days." The crow did not reply. The fox again said, "Sister Crow! Will you give me a chick or shall I cut the tree with this knife of juniper wood?" The crow got scared. She threw one chick for the fox. The fox became very pleased, and ate the chick.

On the next day, he again went below the tree and asked for another chick. The foolish crow threw it down the tree.
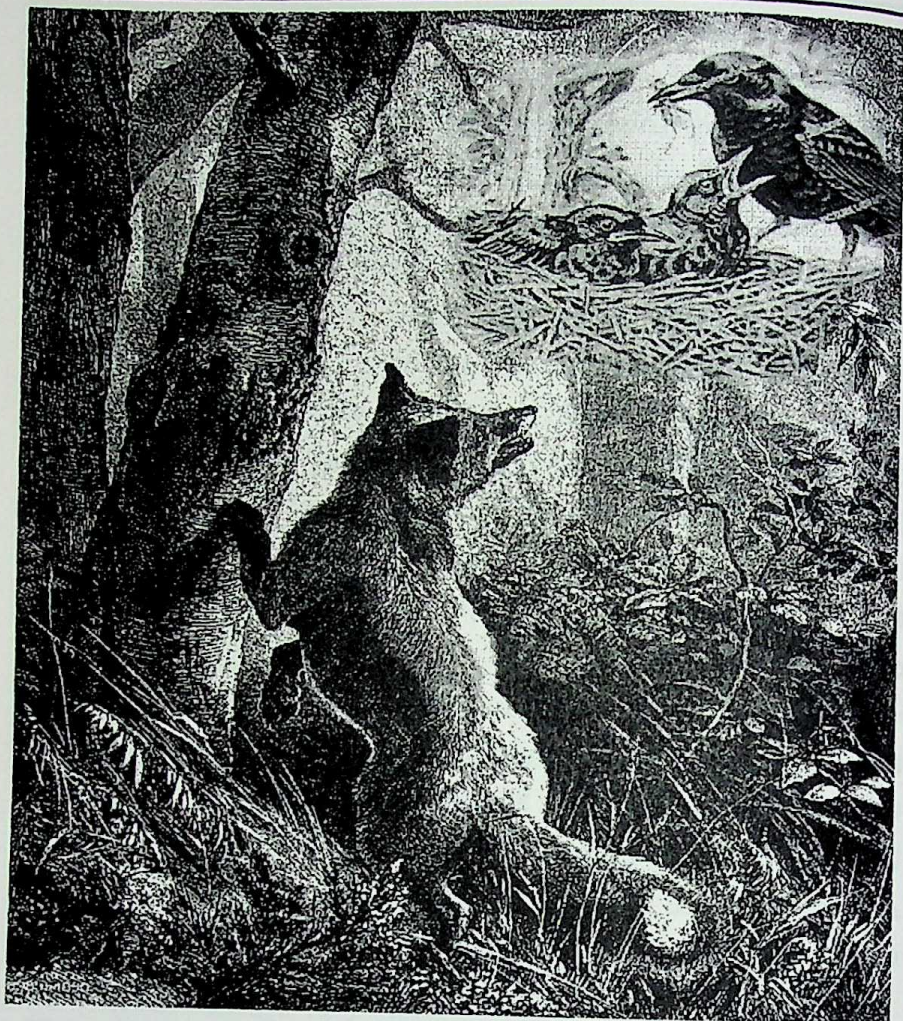
In the meantime, the lady duck got the news that her friend, the crow, had given birth to four chicks. As per the custom, she took some eatables and went to congratulate the crow.

"Congratulations, Sister Crow, on the safe birth of the chicks!"

The crow replied lamenting, what congratulations, my friend? " Do you know that the fox has taken two of my chicks?" But the lady duck said, "But how can a fox take your

chicks from such a tall juniper tree, my friend?"

The crow replied, "He was carrying a knife made from juniper wood. He threatened to cut down the tree with it. So, I gave her two chicks."

"You fool! How can a knife of wood cut down a tree? The fox has befooled you, my dear. Now listen to me, if he comes again and asks for a chick, do not give it to him. Rather tell him to cut down the tree with the knife. Do you understand?" said the lady duck.

On the next day, the fox came there again and said, "Sister Crow! Give me a chick or I shall cut the tree with a knife of juniper wood."

The crow replied, "Brother Fox! I will not give you any more chicks. Better you cut down the tree and have all the remaining chicks. Saying this, she spat on the fox."

"Foolish crow! Who has taught you all this? I know that silly duck came to your house yesterday. I believe she might have guided you." Saying this, he left the spot. While going, he said to himself, "You silly duck, I will not spare you now. I will eat you up in place of the crow's chicks!"

The fox was walking along the river bank looking for the duck. He saw it swimming and diving in the river. The fox was helpless as he did not know how to swim.

Then the winter season came, turning everything white and cold. The mighty river began to freeze. One day, the duck was sitting upon the ice near the bank of the river. Her wings had become very stiff due to the severe cold. She was unable to move around. Thus, she stood upon the ice throughout the night.

In the morning, the fox saw the duck sitting there.

When the duck saw the fox approaching towards her, she tried to fly away, but her wings refused to flutter due to the stiffness caused by the cold. The fox felt very happy. At last, he found his enemy helplessly wobbling on the ice.

"Good morning, wise lady!" The fox taunted the duck. "I know you saved the silly crow's chicks. But I do not know whether you would be able to save yourself from my sharp teeth."

The duck replied smilingly,

"Good morning, old friend. I know you will eat me up this time. But before dying I would like to sing a song for you, my friend. You will always remember my song along with the memory of my delicious flesh."

The fox said,

"All right! All right! Sing the song immediately. I am very hungry." Thereupon, the duck closed her eyes and began to sing in a melodious voice.

"When the river is really frozen,

Eat things only chosen.
On the ice, the duck is freezing,
In the river, the fish are sleeping.
When the weather is cold and the fox is bold,
Keep your wit, my mother once told.
Rejoice O friend, qat, qat, qat,
Sing with me, bat, bat, bat!"

Upon hearing the song, the fox rejoiced happily. He said, "You do sing very nicely, lady." The duck sang another song for the fox.

"When the sun rises in the morning,
Everything with its rays, warming,
When the sun shines upon the snowy peaks,
And brightens the dull mountain cheeks,
When the sun shines upon the Latachey Pass
Softening the stiff mountain grass,
When the sun shines everywhere
And makes my wings soft and fair,
Then your mouth shall be
Full of birds' fall, rejoice, O friend."
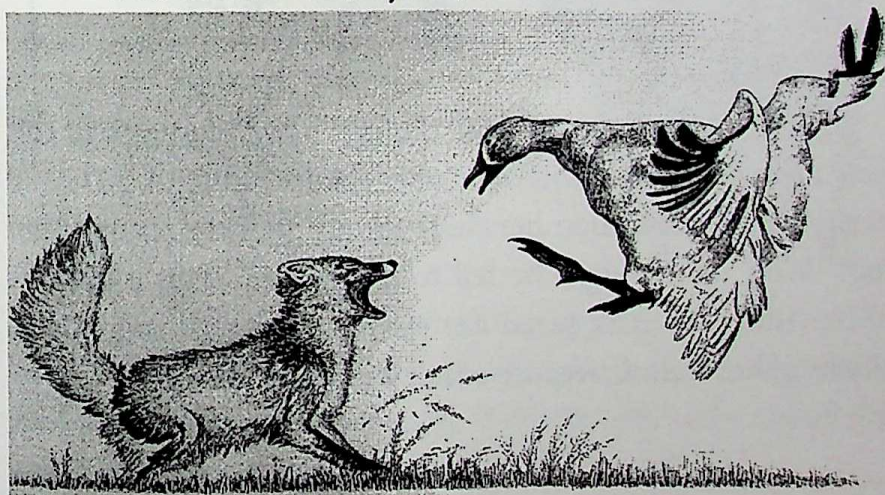
Saying this, she lifted her body from the ice. The morning sun had warmed her wings. Her wings fluttered and she glided over the frozen river. The fox chased the duck, his mouth wide open.

The duck dropped a fall straight into the mouth of the fox. It was very warm and delicious. The fox thought, "Alas! If her fall is so good then her flesh should be very sumptuous too!" With this thought he fell to the ground with a broken heart. Thus, the duck saved her own life and the lives of the chicks of her friend, because of her wit and wisdom.

☆☆☆

(4)
The White Ram and the Black Ram

Once upon a time, there lived an old man and his wife in a small village below a mountain range. They had a white Ram and a black Ram that were very dear to them. When the winter season ended and the snow melted upon the mountains, new shoots of grass began to sprout. Then the old man said to his wife,
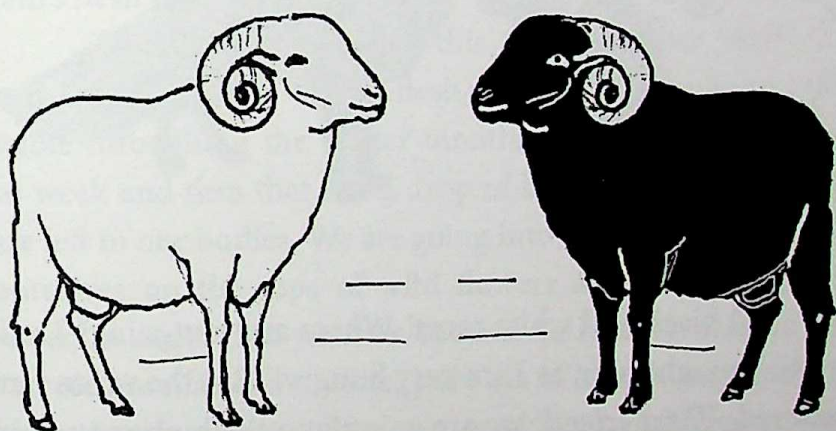
"Since summer season has begun, it is time to send the rams into the mountain so that they can feed on fresh flowers and grass." His wife agreed. So, they caressed and combed the rams and smeared butter onto their horns saying,

"Listen to us, our dear rams. Summer season has set in. The pastures have become green. Thus, we are sending you into the mountains. You may freely roam therein, drink glacial water and eat the tops of the wild flowers. Take care and make yourselves so healthy, so that you may excrete pure fat and that your urine may become pure oil. When the cold winds begin to blow and the green grass turns yellow in the autumn season, then you must return to your home. We shall be waiting here to welcome you." The rams nodded obediently and left for the mountains with the good wishes of their masters.

They walked along a stream in a valley, eating fresh grass and frolicking in the fresh air. When they reached a narrow gorge, they met a fox.
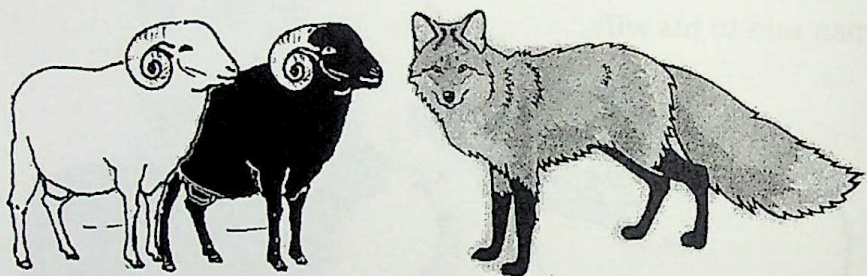
The fox said,

"O black and white rams! Where are you going? I will eat you up right now, as I am very hungry!" But the white ram answered, "Dear friend, we are going into the high mountain to feed on the tops of the wild flowers and to drink fresh water. It is because we want to become so fat that we may excrete pure fat and urinate, pure oil. At present, we are very weak and lean. If you kill us now, you may not like our flesh.

When we come back from the mountain in the autumn, then you may kill us and eat us."

"I like the idea." The fox allowed them to proceed further. When they reached another valley, they met a wolf and he said,
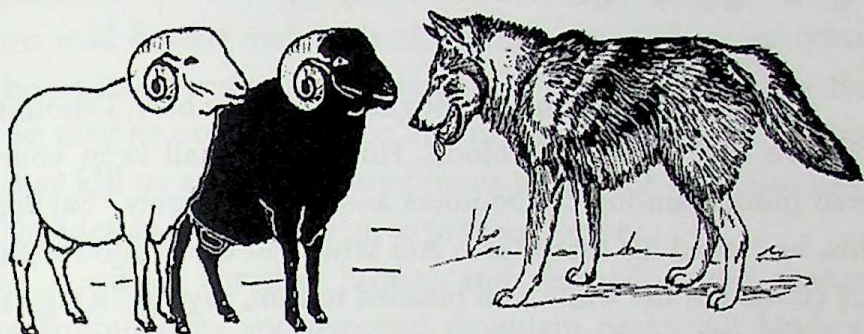
"O old man's black and white rams! Where are you going? I will kill you and eat up your flesh. I have not tasted a ram's flesh for so many months!"

The black ram replied this time, "Brother Wolf! You may kill us and may eat our flesh, but we were confined to the stable throughout the winter months. Now, we have become so weak and thin that not a drop of blood and an inch of fat are left in our bodies. We are going into the mountains to feed ourselves on the tops of wild flowers and to drink glacial water, in order that we may become so healthy that we may excrete pure fat and urinate, pure oil. When we return to our home in the autumn, then you can kill us and have a feast." The wolf got convinced and allowed them to proceed further.

After fording a streamlet, they arrived at a hillock strewn with black boulders. A snow leopard came out from amongst the boulders and sat in their path.
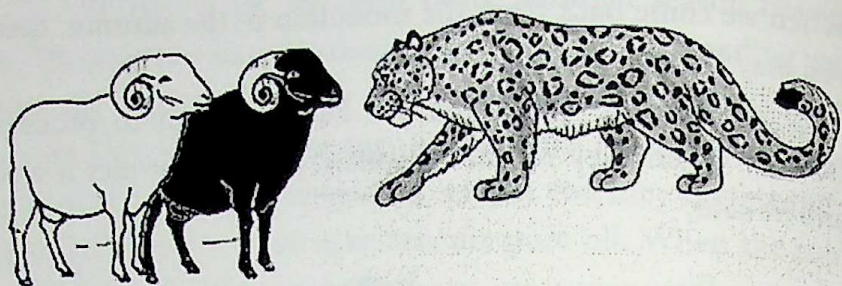
He said,

"My good stars have brought you people here. I should kill you and drink your blood. However, I shall keep your flesh hidden among the boulders and eat it leisurely." Saying this, he rattled his sharp teeth and scratched the ground with his claws. But the white ram pleaded to him, saying, "King of the rocks! Please listen to me. We would happily let you kill us. But we are so weak and thin at this time of the year that you may not like even a morsel from our flesh. When we come back from the mountains in the autumn season, becoming fat and healthy, then you may kill us, O king. Our veins will be full of blood and our flesh will be full of fat."

The snow leopard liked the idea and said, "Yes, yes, I may need your flesh in the long winter months. You may go into the mountains and regain all your fat." The two rams thanked their luck and proceeded further.
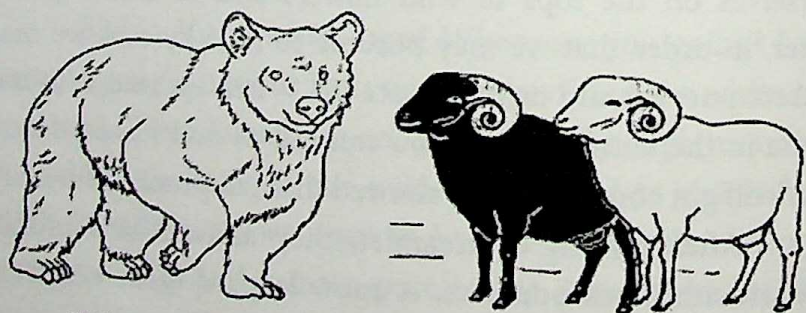
When they reached near the base of a mountain, they

met a brown bear. "Haha", said the bear, "I am fed up with feeding on grass and roots. I should kill you and eat your flesh for a change." But the black Ram replied, "O mighty king of the grassland! You may kill and eat our flesh right now. But the severe winter months have taken away the taste from our bodies. We are going into the mountains to feed ourselves on wild flowers and to drink spring water. When we return home in the autumn, we would have become so healthy that we may be oozing pure fat and urinating pure oil. Then you may kill us and have a sumptuous feast." The bear also liked the idea and allowed them to proceed further.

They traveled further and reached a vast pasture surrounded by snow-capped mountain peaks. All kinds of wild flowers were blooming and all kinds of grasses were growing there. Crystal clear water flowed from the snowy peaks.

They spent the summer months in that pasture. They roamed and roamed in the area and sometimes, scaled the mountain peaks for fun. They rolled in the red soil and spent their

time merrymaking. In this way, the summer months passed. When the cold winds began to blow and the green pasture began to turn yellow, the rams began to prepare themselves for their return journey home.

The white ram said to the black ram, "Brother! If we go back like this, our enemies will not spare us this time. Let us think about a way out so that we could reach our home safely." The black ram replied, "Yes, my brother. We should go in disguise. There are so many birch trees here. We should wear the bark of these trees and call ourselves their sons. In

this way, they will not recognize us." "Yes, this is a good idea" replied the white ram. So, they collected many barks from the birch trees.

Then they wrapped the barks on their bodies, covering every part including their curved horns. Thus, disguised as the sons of the birch tree, they started their homeward journey.
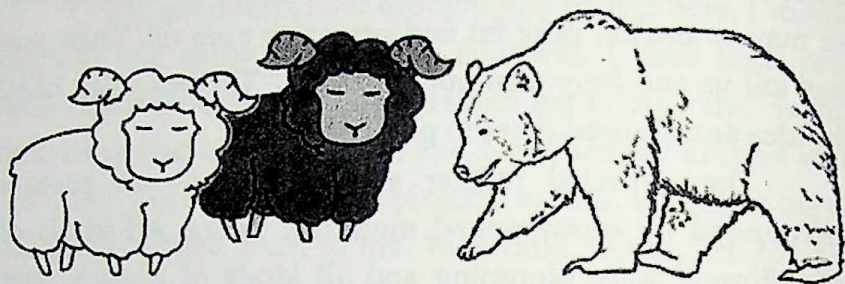
The bear was eagerly waiting for them. Upon meeting them he said, "Hello birch boys! Where did you come from? Did you see any black and white rams? Do you know when they are coming this way?"

The white ram answered, "Hello sir, we have come from the high mountain. Yes, we saw the black and white rams. They may come any time as they are mending their shoes and making walking sticks for the journey." Saying this, they proceeded further.

When they reached the hillock, they met the snow leopard. He said, "Hello birch boys, did you see the black and the white rams? Do you know when they are coming this way?"

The black ram answered, "King of the mountain, we did see them on the mountain. They may come very soon as

they are mending their shoes and making walking sticks for the journey." Saying so, they walked ahead.

In the valley down below, they met the wolf. He said, "Hello birch boys! Please give me news about the two rams." The white ram replied, "Yes, sir. We did see them. They may come any time as they are mending their shoes and making walking sticks for the journey." Saying so, they moved further.
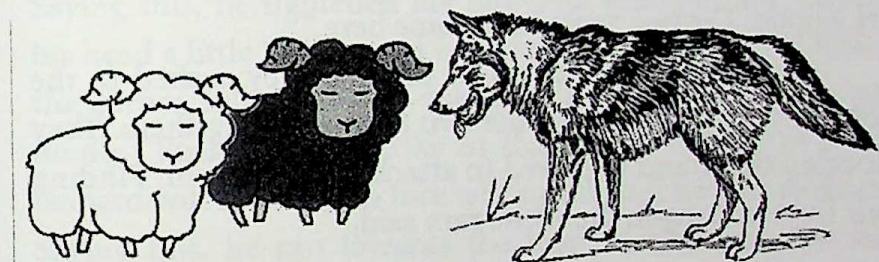
When they reached the narrow gorge, they saw the fox sitting on a slab of stone. He said, "Hello, birch boys! Where did you come from? Tell me when the two rams are coming this way."

The black ram answered, "Sir, we are coming from the mountain. We did see them. They were mending their shoes and making walking sticks for the journey. They may come very soon."

But the fox said, "Hello, boys! I doubt that you are birch boys. Let me check first if you really are." Saying this, he scratched off the barks from their bodies and recognized them as the black and white rams.

Upon this, he climbed on a promontory and called loudly, "O brother bear! Do come immediately with a sharp knife and cooking vessels! O brother, snow leopard and brother wolf! Do rush immediately carrying sharp knives and fuel woods. The two rams have come here."

Upon hearing the call of the fox, they rushed to the spot in no time and found the two rams standing there. They encircled them and prepared to attack and kill them. Finding their lives in danger, the white ram said,
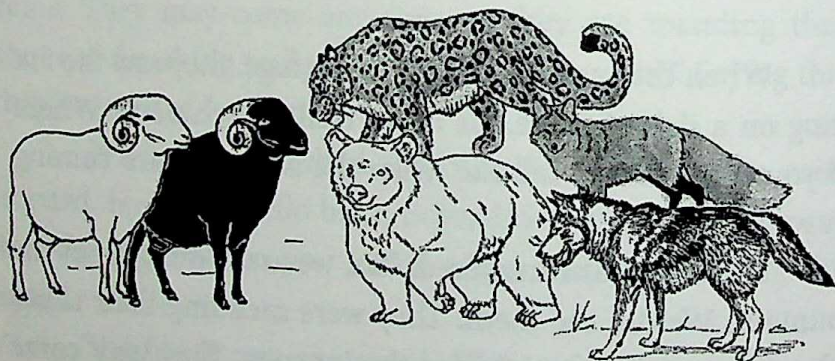
"Dear brothers, we are sorry that we foolishly tried to

deceive you. Now, you have caught us and there is no chance of our escape. But please listen to my advice. If you kill us on this spot, under the open sky, then all the vultures and the noisy magpies will come to this place and take their share of our flesh without fail. Instead, I suggest that you may take us in an enclosure and kill us there to enjoy the feast leisurely."

All of them said, "Yes this is a wise suggestion". And they took the two rams into a stable having only one door and one small window. Then they closed the door and took their position in each corner, keeping the rams in the center. Then the white ram whispered something into the ear of the black ram and he smiled and said, "Since we are going to die, I will say my last prayer." Then he said loudly,

"Strike, strike, strike in that corner! The eyes of the bear will roll out. His face will smash and he will defecate." Saying this, he tightened his powerful muscles and bending his head a little he rammed into the bear and smashed him in the corner, killing him on the spot. Then the white ram said loudly, "Strike, strike, strike in that corner! The eyes of the leopard will roll out, his face will smash and he will defecate." Saying this, he ran towards the leopard and smashed him with his huge horns and killed him there and then. Thereafter, the black ram rose and said, "Strike, strike, strike in that corner! The eyes of the wolf will roll out, the face of the wolf will smash and he will defecate." Saying this, he ran towards the wolf and crushed him in the corner.

Now, the black ram called loudly, pointing his horns towards the fox. He said, "Strike, strike, strike in that corner! The eyes of the fox will roll out, the face of the fox will smash and he will defecate!" Saying this, he ran towards the fox. But

the fox jumped out through the window and fled into the mountain.
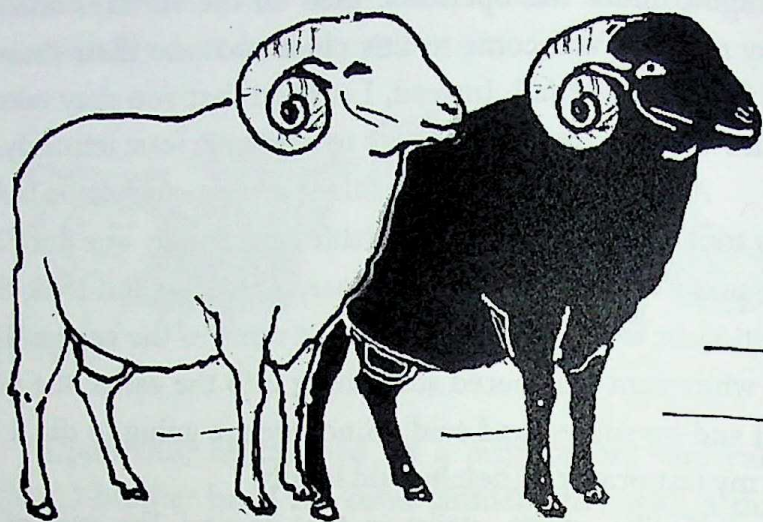
The two rams rejoiced and continued their homeward journey triumphantly.